File F:\Graphic1.tif not found.

شعروادب

کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

● ....علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں ، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے ؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے ، جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی ، یہ وہ گل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہاتھ بے زور ہیں ، الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے ، باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر ، اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے ، بادہ نیا ، خم بھی نئے
حرمِ کعبہ نیا ، بت بھی نئے ، تم بھی نئے

وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسم گل لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا ، اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا ، یہی ہرجائی تھا
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو
ملتِ احمدؐ مرسل کو مقامی کرلو!

کیا کہا؟ بہر مسلماں ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے ، موسیٰ ہی نہیں

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِؐ مختار ؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؟
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار ؟
قلب میں سوز نہیں ، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

اداریہ

خوش نصیب بندگانِ خدا

بدأ الإسلام غريباً وسيعود غريباً

● ....شمس الحق ندوی

اسلام ایک نامانوس آواز بن کر آیا تھا لیکن کیا یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں نہیں کہ جب اسلام کے خلاف دولت، امارت وحکومت کی ساری طاقتیں متحد تھیں، جب اسلام محدود تھا، تنگ دستوں، بیکسوں کمزوروں کی ایک چھوٹی سی تعداد میں اور جب اللہ کا جو کل کائنات کا خالق ہے، نام زبان پر لانے کا انعام ملتا تھا، گالیوں، ذلتوں اور ایسی سزاؤں سے جن کو سن کر دل کانپ جائیں۔

مگر دنیا نے دیکھا کہ چند ہی سالوں میں دنیا کس طرح بدل گئی، قریش کے بڑے بڑے سردار کس طرح مٹی میں مل گئے، ان کا ساتھ دینے والے قبائل مٹ کے ختم ہوگئے، بڑے بڑے ساہوکار اور مالدار اس طرح غائب ہوئے کہ ان کے نام ونشان کا پتہ نہیں۔

سیعود غریباً بعد میں پھر اسلام اجنبی ونا موس بن جائے گا، اس وقت پھر اسلام نامانوس اور اجنبی بنتا جا رہا ہے اور دنیا کی ساری قوموں کی اس پر یلغار ہے، اس طوفان بلا خیز میں حب جاہ ومال رکھنے والے کتنے مسلمان ہیں جو ”يصبح الرجل مومناً ويمسي كافراً يمسي مومناً ويصبح كافراً“ کی تصویر بنتے جا رہے ہیں، ایک شخص صبح کو مسلمان ہوگا، حالات سے متاثر ہو کر شام کو کافر ہو جائے گا، شام کو مسلمان ہوگا صبح کافر ہو جائے گا۔

مال کی محبت نفس وقلب کو ان تمام آلودگیوں اور گندگیوں سے گدلا اور میلا کر دیتی ہے جن کو حرص وطمع، بخل ودنائت، خودغرضی، حرام خوری، فریب و دھوکا، بے غیرتی وبے حیائی کے نام سے پکارا جاتا ہے، انسان کو مال کی محبت اور دولت کی حرص میں حلال وحرام، جائز وناجائز کی تمیز نہیں رہتی وہ اپنے نفع کی دھن میں احکام الٰہیہ سے غافل ہو جاتا ہے، ایسوں ہی کو مخاطب کر کے قرآن کریم نے وعید سناتے ہوئے فرمایا: ”اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ“ (دنیا کے مال کی) بہتات کی حرص نے تمہیں (اللہ وآخرت سے) غافل کیا یہاں تک کہ تم قبرستان پہنچ جاتے ہو۔

دنیا اس وقت مادہ پرستی کے جن حالات سے گذر رہی ہے ان میں بہت سے دیندار تنکے کی طرح بہے چلے جا رہے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت غرباء اہل اسلام کو بشارت دی ہے فرمایا: زمانۂ فتنہ میں عبادت کرنا (یعنی احکامات شریعت پر عمل) ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا حکومت کے خلاف بغاوت وفساد کے وقت جو فوجی تھوڑی سی جرأت وبہادری دکھاتے ہیں وہ بادشاہ کے دل میں بڑی قدر پیدا کر لیتے ہیں وہ بادشاہ کے خواص میں شمار کیے جاتے ہیں، اگر ماحول پرسکون ہو امن وامان کی راجداری ہو تو اس وقت عمل وجد وجہد کی وہ قیمت نہیں ہوتی کام کرنے کا وقت وہی ہوتا ہے جس میں فتنوں کا دور دورہ ہوتا ہے، جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ (قیامت میں) صلحاء واتقیاء اور مقبولان خدا میں شمار ہوں، وہ مرضیات خدا کے سامنے اپنی تمام مرغوبات اور پسند کی چیزوں سے ہاتھ اٹھالیں، اور سنت رسول کی اتباع کے علاوہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیں کہ بگڑے ہوئے حالات اور ماحول میں دین پر جمنا اور استقامت دکھانا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا، اور اپنے محبوب کے طریقہ پر نہ صرف جمنے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف بلانے اور جمانے کی فکر وکوشش کرنا۔

ٹھنڈے پانی کی قدر وقیمت اور اس کی غیر معمولی طلب وجستجو ٹھنڈے موسم میں نہیں ہوتی بلکہ شدت کی گرمی اور لو کے تھپڑوں کے وقت ہوتی ہے جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگا ہے: ”اللّٰهم اجعل حبك أحب إلي من نفسي و من أهلي ومن مالي ومن الماء البارد“

File F:\Front.tif not found.

(اے اللہ! تو اپنی محبت ہماری جان ،اہل وعیال، مال اور (سخت پیاس کے وقت) ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ بنادے، حالات کی خرابی اور فتنہ وفسادی کی شکایات کوئی نئی بات نہیں، گو شکلیں الگ الگ ہوں، لیکن شکایت ہرزمانے میں رہی ہے اور مصلحین وعلماء ربانیین نے انھیں حالات میں کام کیاہے اور کام کا انداز حالات کے اعتبار سے اپنایاہے، دعوت اسلامی کی پوری تاریخ اس کی شاہدعدل ہے، لہٰذا کارکنان اور خدمت گارانِ دین کو پوری ہمت وحوصلہ کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے، پوری تاریخ اسلام میں اسلام کو خارجی داخلی دونوں فتنوں اور آزمائشوں سے گذرنا پڑاہے، اس وقت بھی کچھ ایسے ہی حالات پیش آرہے ہیں، داخلی فتنے بھی ایسے ہیں کہ ہوش گم ہونے لگتے ہیں۔

لیکن مخلصین کو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، بارہا ایسا ہوا کہ تاریکیوں ہی سے شنی کی کرنیں پھوٹی ہیں اور: ”اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ“ (ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور یقیناً ہم خود اس کے نگہبان ہیں) کا جلوہ نظر آیا ہے اور صبح کی سپیدی ظاہر ہوئی ہے، خوش نصیب ہوں گے وہ بندگانِ خدا جو جماعتی، گروہی اور طبقاتی حدبندیوں سے بلند ہوکر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آوازۂ اسلام کو بلند کرنے کی بے لاگ کوششیں وکاوشیں کریں گے ۔

صدقِ احساس کی دولت مرے مولیٰ دیدے
غم امروز بھلادے ، غم فردا دیدے

☆☆☆☆☆

آپ اس ملک کی آخری امید ہیں!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مسلمان قوم کا خیر امت ہونے کا امتیاز اور اس ملک کا جمہوری نظام ، پھر مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی، یہ ساری باتیں مواقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم یہاں کے نظم ونسق پر اثر انداز ہوں ، یہاں قانون بنانے میں ہمارا حصہ ہوسکتا ہے، پھر اس ملک کے جمہوری ہونے کی وجہ سے اس ملک کی قیادت کا منصب بھی ہم حاصل کرسکتے ہیں، اگر ہم اپنے کو اخلاقی طور پر، باطنی طور پر، ذہنی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی ممتاز وفائق ثابت کردیں تو اس ملک کی قیادت کے ہم طالب نہیں ہوں گے، ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی، ہمیں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈھے گی، یہاں کی خاک کے ذرہ ذرہ، درخت کے پتہ پتہ سے آواز آئے گی کہ اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں؟ آئیں اور اس ملک کو بچائیں! آپ کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ کو کچھ آسانیاں چاہئیں، آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں! آپ اس ملک کی آخری امید ہیں ! اس ملک کے باشندوں کو ہم عدل کا پیغام دیں ،خداترسی اور انسان دوستی کا پیغام دیں ، اور اس میں اس کا لحاظ رکھیں کہ ہمارا وہ پیغام ہمارے اسلامی عقیدہ اور ایمانی جذبہ سے مربوط اور جڑا ہوا ہو، وہ یہ محسوس کریں کہ یہ خود غرضی کا پیغام نہیں ،نفسانیت کا پیغام نہیں ،اس کے پیچھے سیاسی یا اقتصادی مقاصد نہیں، یہ وہ پیغام ہے جس کو ان لوگوں کے ایمان باللہ وتعلیمات اسلامی نے پیدا کیا اور جلا اور طاقت دی ہے، اس پیغام کا سرچشمہ اور اس کا محرک وداعی ان کا خدا ہے (جو رب العالمین ہے) اور خدا کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (جو رحمۃ للعالمین) بنا کر بھیجے گئے تھے، رابطہ ہے۔

☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

نبوت ورسالت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں !

تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں ایک اہم اور مؤثر خطاب

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حقیقت میں مسلمانوں کو اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا جو تعلق ہے اس کی بنا پر اس بات کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ آپ کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم رسالت کے سلسلہ میں کوئی گستاخی ہو یا اس سے کوئی بغاوت کرے اور اس کو مسلمان برداشت کرلیں، یہ ان کے ایمان کے بھی خلاف ہے اور ان کی اس محبت کے بھی خلاف ہے جو ان کو اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اور یہ امت اس سلسلہ میں مشہور ہے اور اس میں اس کو مثالی حیثیت حاصل ہے، اس کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنی محبت ہے شاید ہی کسی امت کو اپنے نبی سے ہوئی ہوگی، اور یہ محبت حقیقت میں اس امت کے امت محمدیہ اور امت اسلام ہونے کی ایک ضمانت ہے اور اپنے نبی سے گہرے تعلق اور اس طرح اپنے دین سے وابستگی کا بڑا ذریعہ ہے، اس امت کے افراد دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں، گاؤں گاؤں میں رہتے ہیں اور بستیوں میں رہتے ہیں، ایسی جگہوں میں بھی رہتے ہیں جہاں وہ بہت چھوٹی اقلیت ہیں اور جہاں ان کے لیے دین سے واقفیت کے ذرائع حاصل نہیں ہیں اور وہ دین کے فرائض اور شریعت سے بالکل ناواقف ہیں لیکن ان کو مسلمان باقی رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ان کا وہ تعلق ہے جو ان کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، ان کے اس تعلق نے اس امت کی بڑی حفاظت کی ہے، اس کی وجہ سے امت اپنے کو مسلمان جاننے اور ماننے پر قائم رہی ہے، یہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے اثر سے بھی ہے جس کی وجہ سے قیامت تک آپ ہی ان کے نبی رہیں گے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس امت کے افراد ہر چیز برداشت کرسکتے ہیں لیکن اس بات کو نہیں برداشت کرسکتے ہیں کہ ان کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کی نبوت کے سلسلہ میں کوئی گستاخی کی بات کہی جائے یا ان کے اوپر شبہ کیا جائے یا ان کے متعلق ایسی بات کہی جائے جو مناسب ہو، مسلمانوں کا یہ جذبہ ان کے لیے بہت بڑی دولت ہے اور بہت بڑا ذریعہ ہے جو اس امت کی بقاء کا ضامن ہے اور اس امت کی حفاظت کررہا ہے اور اس سے یہ امت محفوظ ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ شیطان بہت ہی عزم کے ساتھ، بہت ہی دانائی کے ساتھ اپنے گمراہ کن کام کے لیے فکر مند رہتا ہے، وہ کسی کو بہکانا چاہتا ہے تو سیدھے سیدھے وہ بات نہیں کہتا جو بہکانے کی ہے، مثلاً کسی نمازی سے سیدھے یہ نہیں کہے گا کہ تم نماز چھوڑ دو اور کسی سے یہ نہیں کہے گا کہ تم زنا کا ارتکاب کرو یا کسی حرام کام پر جسے لوگ حرام سمجھتے ہیں اس کا ارتکاب کرو، وہ اس راستے سے آتا ہے کہ جس راستہ سے آدمی دھوکے میں آجائے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اس امت کو بار بار اس بات سے سابقہ پڑا ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کو چیلنج کیا ہے اور بہت ہی خاموشی سے اور بہت ہی حکمت (چالاکی وچابکدستی) ودانائی سے بہکانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کا یہ حربہ چلا نہیں اور جلد آشکارا ہوگیا کہ یہ حرکت بڑا فتنہ ہے اور لوگ فتنہ کو دیکھ کر سنبھل گئے، اور دھوکے میں نہیں آئے۔

اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کی آپ کو بار بار مثالیں ملیں گی، جو مثالیں ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں وہ مثالیں بڑی بھونڈی معلوم ہوتی ہیں لیکن اپنے وقت میں وہ مثالیں خطرناک تھیں، اس لیے کہ ایسے طریقوں اور ایسی حکمت سے یہ بات کہی گئی تھی کہ جن سے لوگ دھوکے میں آگئے تھے، چنانچہ اس موقع پر بھی، اس عہد میں بھی غلام احمد قادیانی قادیان کا رہنے والا تھا اور بہت پڑھا لکھا آدمی تھا، اس نے آہستہ آہستہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ پہلے تو اسلام کی اشاعت اور دعوت کا کام شروع کیا اور ایسا ظاہر ہوا کہ یہ ایک داعی آدمی ہے، یہ اسلام کو پھیلانا چاہتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتا ہے، پھر اس نے جب یہ دیکھا کہ اس کا اثر کچھ پھیل گیا ہے، اور کچھ گنتی کے لوگ اس کو ایک اچھا انسان اور اسلام کی دعوت کا آدمی اور پڑھا لکھا انسان سمجھنے لگے اور بعض لوگ اس سے دھوکے میں آکر اس سے متعلق ہونے لگے تب اس نے آہستہ آہستہ اپنا قدم آگے بڑھایا اور پہلے اپنے کو مجدد کہا، پھر نبیوں میں سب سے بڑا نبی کہا، اور آخر میں اس حد تک پہنچ گیا جس حد تک کوئی تصور نہیں کرسکتا، لیکن اس طریقہ سے اور اس حکمت سے اس نے یہ کام کیا کہ بہت سے

File F:\Front.tif not found.

لوگ دھوکے میں آ گئے اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس فرقہ کے ماننے والوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ اس کے لوگ موقع محل دیکھ کر بات کو بدل دیتے ہیں، مثلاً اگر کوئی ایسا موقع ہے جہاں کوئی خطرہ ہے کہ ان کی بات کو رد کر دیا جائے گا تو صاف انکار کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ان کو نبی نہیں مانتے، ہم ان کو ایک مصلح مانتے ہیں، مجدد مانتے ہیں یا اور کوئی بات کہہ دی، اس طریقہ سے وہ دھوکہ دے کر آدمی کو اپنے سے متعلق کر لیتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ رکھ کر اس کے ذہن کو بار بار دھوتے رہتے ہیں اور اس کو اپنا بنا لیتے ہیں، اس طریقہ سے دھوکہ دے کر انہوں سارا کام کیا ہے، حقیقت میں لوگوں کو اگر شریعت کی ساری باتیں معلوم ہوں اور ضرورت کے مطابق جو تفصیلات ہیں اس سے واقف ہوں تو کبھی ان کے دھوکہ میں نہیں آ سکتے، لیکن جو لوگ ناواقف ہوتے ہیں یا جو لوگ جاہل ہیں اسلام کے سلسلہ میں ان کو کوئی بات نہیں معلوم سوائے اس کے کہ اللہ و رسول اور کچھ ضروری باتیں بہت ہی عام باتیں معلوم ہوتی ہیں ان کو ایسے لوگ دھوکہ دے سکتے ہیں اور اپنی طرف بلا سکتے ہیں۔

اس فتنے کی حقیقت

جہاں تک اس فتنہ کا جائزہ لیا گیا ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ اس فتنہ کو حقیقت میں انگریزوں نے کھڑا کیا تھا اور انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ جائے اور مسلمان جن کو ان سے واسطہ پڑ رہا تھا اور آزادی کی جنگ لڑی جا رہی تھی جس میں مسلمان باقاعدہ شریک تھے اور انگریزوں کے خلاف انہوں نے باقاعدہ محاذ بنایا تھا، انگریز یہ چاہتے تھے کہ ان مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ جائے، انہوں نے اس کے لیے ظلم بھی بہت کیے لیکن یہ ظلم وزیادتی سے نہیں ٹوٹ سکتی اور بالآخر انہوں نے یہ کہا کہ اگر ٹوٹ سکتی ہے تو ایسے کہ ان میں تفرقہ پیدا کر دیا جائے اور ان کے عقیدہ کو بگاڑ دیا جائے، انہوں نے اس کا جائزہ لیا اور ان کو ایک شخص ایسا مل گیا جو اس کام کو انجام دے سکتا ہے اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس شخص (مرزا غلام احمد) نے یہ فتویٰ دیا کہ اس زمانہ میں جہاد نہیں ہو سکتا اور انگریزوں کی حکومت اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے، انسانوں پر اور یہ ایک نعمت ہے، باقاعدہ اس بات کا اعلان کیا کہ انگریزوں کی حکومت یہاں کی رعایا کے لیے ایک نعمت ہے اور اس کو باقی رہنا چاہیے اور اس کی وفاداری کرنی چاہیے، اسی طرح اس نے وہ باتیں جو انگریزوں کے خلاف عام ہو رہی تھیں ان کو بھی ناجائز قرار دیا، تو ان باتوں سے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کو حقیقت میں انگریزوں نے کھڑا کیا ہے اور وہ یہاں پر جو آزادی کی جدوجہد ہو رہی ہے اس کو توڑ نا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے عقیدہ کو خراب کرنا چاہتے ہیں، اگر مسلمانوں کا عقیدہ ٹوٹ جاتا ہے یا خراب ہو جاتا ہے تو پھر ان کی طاقت کو توڑا جا سکتا ہے، یہ کام برابر ہوتا رہا جب تک انگریز رہے، اس کی سرپرستی کرتے رہے اور اس سرپرستی کو آپ اس طرح جان سکتے ہیں کہ جہاں جہاں انگلستان میں اور مغربی ممالک میں انگریزوں کا اور ان لوگوں کا اثر ہے وہاں آپ دیکھیں گے کہ ان کے بڑے بڑے مراکز قائم ہیں جہاں سے بڑے پیمانہ پر اور اعلیٰ طریقہ پر کام ہو رہا ہے کہ جو معمولی ذرائع کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے جو دعوتی اور ملی کام ہیں وہ کس دشواری سے ہوتے ہیں، لیکن آپ ان کے مراکز کو دیکھئے ان کے دفاتر کو دیکھئے تو اس اعلیٰ پیمانہ پر کام ہو رہا ہے جو حکومتیں کر سکتی ہیں، یہ صاف دلیل ہے کہ باقاعدہ ان کی سرپرستی اور ان کی مدد بڑی طاقتیں کر رہی ہیں اور وہ طاقتیں کر رہی ہیں جو اس وقت اسلام کو نیچا دکھانا چاہتی ہیں اور اسلام کو ختم کرنا چاہتی ہیں، آپ جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی ساری بڑی طاقتیں مسلمانوں کی اسلامی طاقت کو، مسلمانوں کی ایمانی طاقت کو توڑنا چاہتی ہیں، جگہ جگہ اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمان اپنے عقیدہ سے اور اپنے دین سے ہٹ جائیں اور اسلام کی جو روحانیت ہے اور اس کی جو روحانی طاقت ہے وہ ٹوٹ جائے اور کمزور ہو جائے، اس کی کوشش ساری بڑی طاقتیں کر رہی ہیں، اس کے لیے بہترین ذریعہ قادیانی تحریک اور قادیانی فرقہ ہے کہ جو اسلام کی جڑوں کو اس طرح کھوکھلا کرنا چاہتا ہے جیسے دیمک کسی لکڑی کی جڑوں کو کھا جائے، اس لئے کہ اسلام کا انحصار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ہے، جو شریعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اور جو احکام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اسی پر اسلام کا دارومدار ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت مشکوک ہو جاتی ہے یا سوخت ہو جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو اسلام ختم ہو گیا، اسلام باقی نہیں رہا اور جب صاف صاف قرآن مجید میں یہ اعلان ہو چکا: "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" صاف صاف کہہ دیا گیا دین مکمل ہو چکا، دین کے مکمل ہو جانے کا

مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی اضافہ یا زیادتی کی ضرورت نہیں ہے، قیامت تک یہ دین اسی طرح قائم رہے گا اور جب دین مکمل ہوگیا اور دین میں اب نہ کسی کمی یا اضافہ کی ضرورت ہے تو نبی کے آنے کی ضرورت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم کردیا اور آپؐ نے اس بات کا صاف صاف اعلان کیا کہ: "لانبی بعدی" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً" حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سے جو انبیاء برابر آرہے تھے، ہزاروں کی تعداد میں اور لاکھوں کی تعداد میں جو انبیاء آئے ہر جگہ آئے، ہر بستی میں آئے، ہر قوم میں آئے، اس کا مطلب یہ تھا کہ برابر یہ دین حالات کے لحاظ سے، قوموں کے لحاظ سے اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے اس میں کمی یا اضافہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جارہا تھا اور انبیاء علیہم السلام کمی یا اضافہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا رہے تھے، وہ کمی واضافہ آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگیا ہے، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو دائمی نبوت قرار دیا گیا جو قیامت تک رہنے والی ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، یہ دین کی سب سے بڑی حفاظت ہے، اس نکتہ کو بڑے بڑے حکماء وعقلاء نے سمجھا ہے کہ اگر نبوت کا یہ سلسلہ باقی رہتا جیسے پہلے تھا اور اگر اس کی گنجائش ہوتی کہ نبی بار بار آتے رہیں تو دین پھر باقی نہیں رہ سکتا تھا اور دین مکمل بھی نہ ہوتا، اس کا صاف مطلب یہ ہوتا کہ دین ناقص ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرمادیا ہے کہ دین مکمل ہوگیا اور دین کے مکمل ہونے کے بعد کوئی ایسا معاملہ نہیں ہوسکتا کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ دین میں کسی اضافہ یا کمی کی ضرورت ہے اور غلام احمد قادیانی نے صرف نبوت ہی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس نے ایسی ایسی باتوں کا دعویٰ کیا کہ اگر آپ غور کریں تو مسخرہ پن معلوم ہوتا ہے۔

کیا وحی کوئی مذاق ہے؟

اس نے دعویٰ کیا کہ اس پر وحی آتی ہے اور وحی صرف عربی زبان میں نہیں، عربی زبان میں ان پر وحی آئی، ہندی زبان میں وحی آئی، انگریزی زبان میں وحی آئی اور ایک وحی تو ان پر شارٹ ہینڈ میں آئی، سوچیے تو کیا وحی کوئی مذاق ہے، اللہ تعالیٰ وحی بھیج رہا ہے کبھی انگریزی میں بھیج رہا ہے، کبھی ہندی میں بھیج رہا ہے اور ایک ہی آدمی کے پاس اور آخری بات یہ کہ شارٹ ہینڈ میں وحی آئی، یہ مسخرہ پن نہیں تو اور کیا۔

آپ اس کی تاریخ پڑھئے

آپ اس کی تاریخ پڑھئے اور حالات جانئے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ یہ کوئی متوازن ذہن کے آدمی کے حالات ہیں، کسی مخلص آدمی کے حالات ہیں یا کسی گمراہ آدمی کے حالات ہیں؟

ختم نبوت اسلام کی چہار دیواری ہے

ان حالات سے دلچسپی نہیں جو غیر متوازن ہوں یا بچوں کی باتوں جیسے حالات ہوں، ہم سے انہیں کیا لینا دینا لیکن ہمیں یہ کہنا ہے کہ ختم نبوت اسلام کا احاطہ، اسلام کی چہار دیواری بن چکی ہے، جب یہ اعلان ہوا" اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً " تو اسلام کے گرد چہار دیواری پوری بن گئی، اب اگر کوئی اس بات کی اس کو اجازت دے، کسی کا مکان ہو، کسی کا احاطہ ہو، اس احاطہ کو دوسرا آدمی آکر توڑے اور اس میں گھسنے کی کوشش کرے تو کون اس بات کی اجازت دے گا، اسلام کا احاطہ پورا بن چکا ہے، چہار دیواری بنی ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ چہار دیواری بنا کر گئے ہیں، اب اس چہار دیواری کی حفاظت کرنا بعد کے لوگوں کا فریضہ ہے، یہ ہم سب کا فریضہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اپنے امتیوں پر یہ ذمہ داری سونپ کر گئے ہیں کہ اسلام کی یہ جو چہار دیواری بنی ہوئی ہے اس کو قائم رکھنا ہے، اس چہار دیواری کے اندر کوئی غلط آدمی نہیں گھس سکتا اور اس میں اپنے مکان کو جوڑ نہیں سکتا، یہ ذمہ داری ہم لوگوں کی ہے، سارے علماء کی ہے، سارے امتیوں کی ہے کہ اس بات پر نگاہ رکھیں کہ اسلام کی اس چہار دیواری میں اس احاطہ کے اندر کوئی غلط آدمی داخل نہیں ہوسکتا، کوئی ایسا آدمی داخل نہیں ہوسکتا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہو، آپؐ کی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، آپؐ کے قیامت تک نبی ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو، آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کو آخری شریعت نہ سمجھتا ہو اور اس شریعت کو آخری شریعت نہ سمجھتا ہو، جب تک یہ بات نہیں ہوگی ہم اسلام کی حفاظت نہیں کرسکیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی وامی) نے یہ ذمہ داری اپنے امتیوں پر ڈالی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ طے فرمایا کہ وہ جب اس دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو ان کے امتی دین کی حفاظت کریں گے، جو دین اللہ تعالیٰ نے ان کے

File F:\Front.tif not found.

ذریعہ سے بھیجا ہے اور مکمل کیا ہے، دین کے مکمل ہو جانے کے بعد اب اس میں کسی اضافہ یا کمی یا تغیر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے، لیکن اس کی حفاظت کون کرے گا، اس کی دیکھ بھال کون کرے گا، اس امت کے سارے افراد کریں گے اور علماء کریں گے اور بزرگ کریں گے اور جس میں ایمان ہے وہ کرے گا، یہ ذمہ داری ہے، اس لیے ہم سب کو بہت باخبر رہنا چاہیے اور نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام کی اس چہار دیواری میں کوئی نقب تو نہیں لگا رہا ہے، کوئی غلط آدمی تو داخل نہیں ہو رہا ہے، کوئی اسلام دشمن آدمی تو داخل نہیں ہو رہا ہے، کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تو داخل نہیں ہو رہا ہے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو چیلنج کرنے والا تو داخل نہیں ہو رہا ہے، اور اگر کوئی داخل ہو رہا ہے تو اس کو ڈھکیل کر نکالنا ہے۔

بغاوت کی سزا قتل ہے

اور دیکھئے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جہاں کا کوئی دستور ہوتا ہے، کوئی قانون ہوتا ہے، کسی ملک کا بھی دستور ہو، اس پورے دستور کو ماننے سے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ باغی کہلاتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بغاوت کی سزا کیا ہے؟ قتل ہے، آپ کہیں دیکھ لیجیے کوئی دستور کے خلاف بغاوت کر کے دیکھے، حکومت کیا معاملہ کرے گی؟، دستور کے خلاف بغاوت کو کوئی برداشت نہیں کرتا، اسلام کے دستور کے خلاف کوئی بغاوت کرے تو کیسے برداشت کیا جا سکتا ہے، اس لیے ختم نبوت کی چہار دیواری کو توڑ کر کوئی دوست نما دشمن کیسے داخل ہو سکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اس دین کے آخری نبی ہیں اور اس دین کے مکمل ہونے کا اعلان کرنے والے ہیں ان کے اس اعلان کی حرمت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کوششیں جو تحفظ ختم نبوت کی کی جا رہی ہیں یہ ہم سب کا فریضہ ہے، اس میں جتنی بھی ہم شرکت کر سکتے ہوں اور جو بھی تعاون کر سکتے ہوں اور جو حصہ لے سکتے ہوں ہم وہ حصہ لیں، اس لیے کہ اسی سے ہم اس بات کو ثابت کریں گے کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے، اور ان سے تعلق ہے اور ہم ان کے وفادار ہیں، جب تک مسلمان اپنے حضرت محمد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار نہیں ہے اور ان کا تابعدار نہیں ہے اور ان کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہے اس کا ایمان تو اسی وقت مکمل ہوگا کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری طرح تابعدار ہوں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے ہوں اور اس پر خود بھی قائم رہنے والے ہوں اور دوسروں کو قائم رکھنے کی کوشش کرنے والے ہوں اور اس پر حملہ کرنے والے اور اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنیوالے اور اس کو نقصان پہنچانے والوں سے ہم مقابلہ کریں، ہمیں اس کا مقابلہ کرنا ہے اور اس دین کی حرمت کو بچانا ہے اور اس دین کی حرمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

دین کی حفاظت ختم نبوت کی حفاظت سے جُڑی آئی ہے

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کو چیلنج کیا گیا یا ختم نبوت کے ساتھ کوئی کھلواڑ کیا گیا تو یہ دین محفوظ نہیں رہے گا، یہ دین بدل جائے گا اور پھر اس سلسلہ میں ہم سب مسلمانوں کا مواخذہ ہوگا، ہم سب اس بات کے ذمہ ہیں اور ہم سب پر یہ ذمہ داری آتی ہے کہ اس دین کی حفاظت کریں اور اس دین کی حفاظت اس کی شریعت کی حفاظت کے ساتھ ہوگی اور ختم نبوت کی حفاظت کے ساتھ ہوگی، اور اس دین کو اس طرح قائم رہنے کے ساتھ ہوگی جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ کر گئے، یہ ذمہ داری ہم سب کی ہے جو بھی اس کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا درجہ ہوگا اور وہ قیامت میں سرخرو ہوگا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرخرو ہو کر آئے گا اور اگر ہم کوتاہی کریں گے تو ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔

اس پر نیند حرام ہوجانی چاھیے

آپ سوچیے تو کہ ہم جس پر فدا ہیں، جن پر ہم جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی عزت اور اپنے خاندان کی عزت قربان کر سکتے ہیں اور قربان کرنے کے لیے تیار ہیں ان کے سامنے ہم کس منہ سے جائیں گے کہ ان کی ختم نبوت کے ساتھ کھلواڑ ہو رہا ہو اور ہم بیٹھے عیش کر رہے ہوں اور ہم تفریح کر رہے ہوں اور ہم پر کوئی اثر نہ پڑے، اس پر آدمی کی نیند حرام ہو جانی چاہیے، آدمی اپنے آرام کو چھوڑ دے اور اس میں لگ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سے ہم کھلواڑ کرنے نہیں دیں گے، آپؐ کی حرمت کی ہم پوری حفاظت کریں گے، ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ہم کریں گے، لیکن ہم کسی حالت میں اس مکمل اسلام کو ٹوٹنے نہیں دیں گے، ہم ختم نبوت کی حرمت کو نقصان پہنچانے نہیں دیں گے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

محاسب فطرت کا اندازہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

نظام عالم کو قائم کیے ہوئے بے شمار مدت گزر چکی ہے، دنیا اپنی انھیں نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ ایک بے حساب زمانہ سے آباد ہے، بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیادیں پڑ چکی ہیں، نامی گرامی حکماء پیدا ہوچکے ہیں، نامور کشور کشا گزر چکے ہیں، یہ سب کچھ ہے: لیکن 'علم' اور 'تمدن' کا جو مفہوم سمجھا جا رہا ہے، اس سے انسانی دماغ ابھی تک نا آشنا ہے، دنیا مختلف قوموں میں بٹی ہوئی ہے، زمین مختلف اقلیموں میں چھٹی ہوئی ہے، ہر قوم دوسری سے بے گانہ، ہر ملک دوسرے سے اجنبی، آمد و رفت کے وسائل محدود، رسل و رسائل کے ذرائع دشوار، بین الاقوامی تعلقات بمنزلہ صفر، لکھے پڑھے ہوؤں کی تعداد ہر ملک میں قلیل، کتابوں کی یہ فراوانی جو آج ہے کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں، گویا ہر ملک دوسرے ملکوں سے بے نیاز و بے تعلق بجائے خود ایک مستقل عالم تھا، اسی لیے قدرتاً ہر ملک کے لیے ایک جداگانہ ہادی اور ہر قوم کے لیے علیحدہ داعی۔

لیکن اب محاسب قدرت کے اندازہ میں وہ وقت آجاتا ہے جب ہر ملک کے ڈانڈے دوسرے سے مل کر رہیں گے، ہر قوم دوسری قوم سے تعلقات پیدا کرے گی، پلوں کی ایجاد دور دراز سفر کو آسان کرے گی، آلات کی مدد سے مشرق کی خبر دم کی دم میں مغرب تک پہونچ جائے گی، چھاپہ کی کلیں نقوش کاغذی کے خزانے اگلنے لگیں گی اور کتابوں کے لکھنے والوں کی تعداد شاید پڑھنے والوں سے بھی بڑھ کر رہے گی۔

کائنات کا فطری نظام

محاسب فطرت کے اندازہ میں جب کائنات اپنی عمر کی اس منزل تک پہونچ جاتی ہے، جب دنیا اپنی پختگی و تکمیل کا یہ درجہ طے کر لیتی ہے جب یہ گھڑی آجاتی ہے تو اس ملک میں جو اور سب ملکوں سے زیادہ بے علم اور اجڈ تھا، اس سرزمین پر جہاں علم وحکمت، تمدن و شائستگی کا سایہ بھی نہیں پڑا تھا، اس فضا میں جس نے نہ کوئی ارسطو پیدا کیا تھا، نہ کوئی جالینوس، نہ کوئی ہومر پیدا کیا تھا نہ کوئی کالی داس، امیوں کے خاندان میں، ان پڑھوں کے گھرانے میں، ایک یتیم امی اٹھا کھڑا کیا کہ اپنے قوم و ملک ہی کو نہیں، بلکہ ساری انسانی آبادی کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلا، ساری دنیا کے بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ دکھا، تارے بہت سے نکل چکے، شب انسانیت بسر ہونے کو آئی، اب تو مطلع کائنات پر آفتاب بن کر طلوع ہو، عامی و عالم، جاہل و حکیم، گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی، نادان و دانا سب کے ظلمت کدے اپنی نورانیت کے پرتو سے روشن کر دے، عصائے موسیٰؑ، دم عیسیٰؑ، تخت سلیمانؑ، نار ابراہیمؑ، حسن یوسفؑ وغیرہ کے سارے معجزات جو مخصوص قوموں کے مقابلے میں پیش کئے جاتے تھے ختم ہو چکے، اب زمانہ نئی کروٹ لے رہا ہے، تیرے جلو میں وہ معجزات ہوں گے جو آفتاب سے بڑھ کر روشن ہوں گے، تو امّی ہے اور دنیا اب کاغذی نقوش پر جان دے گی، تو ان پڑھ ہے اور دنیا میں اب قدر صرف اسکولوں اور کالجوں، یونیورسٹیوں اور اکاڈمیوں کی ہوگی، تو خط نہیں لکھ سکتا اور دنیا میں اب پرستش صرف ڈگریوں اور ڈپلوموں، امتحانوں اور کتب خانوں کی ہوگی: لیکن ہماری قدرتوں کا اعجاز اور ہماری کارفرمائیوں کا تماشا دیکھنا کہ یہی دوات، یہی کاغذ، یہی سیاہی، یہی علوم اور یہی فنون "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ" یہی کتب خانے اور یہی چھاپہ خانے، یہی کتابیں اور یہی کتبے، یہی مقالات اور یہی تحقیقات، یہی قلم اور دوات کی پیدا کی ہوئی ساری مخلوقات تیرے حق میں گواہ ہو کر رہیں گی، تیری ہی صداقت کا کلمہ پڑھیں گی، تیری ہی بزرگی و برتری کے محضر پر مہر تصدیق ثبت کرے گی۔

بدنصیب ابوجہل اور کور بخت ابولہب آج تجھے رد کر رہے ہیں تو اپنی بے بصری کی بناء پر معذور ہیں، کل ہی وہ دن آتا ہے جب انھیں کی ذریات جن لوگوں کو دانائی و فرزانگی کا امام تسلیم کرے گی، حکمت و دانش کا پیشوا تسلیم کرے گی، خود ہی زبان قال اور زبان حال دونوں سے "مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ" سے تیری گواہی دیں گے اور بول اٹھیں گے کہ تو اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے مجنوں اور دیوانہ نہیں، بلکہ خبطی اور دیوانے وہ ہیں جو اپنی جہالت سے تجھے جھٹلا رہے ہیں، عقل کے اندھے وہ ہیں جو اپنی نادانیوں سے تیری نبوت میں شک کر رہے ہیں، دنیا جتنی آگے بڑھے گی عقل و حکمت کو جتنی ترقی ہوتی جائے گی تیرے لائے ہوئے دین کا چہرہ روشن سے روشن تر ہو جائے گا، تیری عقل و فرزانگی کا آوازہ بلند سے

بلند تر ہو جائے گا، رازی وغزالی، طوسی وفارابی، ابن رشد وابن سینا تیری ہی حلقہ بگوشی پر فخر کریں گے، غزنوی وغوری، ترک وسلجوق، مصطفےٰ کمال وامان اللہ کو تیری ہی غلامی پر ناز ہوگا۔

زمانہ بدل جائے گا، اہل زمانہ کی طبیعتیں بدل جائیں گی، مشرق کی بساط الٹ کر مغرب کے ٹھاٹھ جم جائیں گے، روحانیت کی جگہ مادیت کا سکہ چلنے لگے گا، یہ سب کچھ ہوگا؛ لیکن تیری محنت وکوشش کا صلہ غیر محدود ہے "وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ" تیری تبلیغ کا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں، تو نے اپنی اصلاحات سے دنیا میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے، اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا، تیرے غلاموں کے ذخیرہ علم سے خوشہ چینی کر کر کے اہل مغرب بڑے بڑے نظامات فلسفہ تیار کریں گے، تیری منقبت نگاری کارلائل اور گوئٹے اپنے لیے باعث شرف سمجھیں گے، تیرا ہلکا پرتو پڑ جانے سے ٹالسٹا اور گاندھی ذرہ سے آفتاب بن جائیں گے، تیری عظمت کا اعتراف آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں کریں گی، تیرے منہ سے نکلے ہوئے کلموں کے زندہ محفوظ رکھنے کے لیے ہالینڈ اور جرمنی کے بڑے بڑے دارالاشاعت وقف رہیں گے، تیرا نام ہر روز پانچ پانچ مرتبہ برلن، پیرس اور لنڈن کے بلند میناروں سے پکارا جائے گا، تیرے پرستاروں کی عبارت وکلام کی تشریح وتحشی کو براؤن ونکلس اپنے لیے سرمایہ ناز سمجھیں گے، جو تیرے دین کے منکر ہوں گے، جو تیرے نام سے دشمنی رکھیں گے، خود انھیں کے قلم اور انھیں کے کاغذ اور انھیں کی سیاہی، انھیں کی عقل اور انھیں کے دماغ کو ہم تیری عظمت کے اعتراف، تیری دانائی کی شہادت، تیری کامیابی کی گواہی کے لیے وقف رکھیں گے۔

مناقب کی جامعیت

تو آج امی ہے، بے کس ہے، یتیم ہے، ظاہر بینوں کی نگاہ میں بے وقعت وبے اثر، تیرا ابدی دائمی معجزہ یہ ہے کہ علوم وفنون ہی تیری عقل ودانائی پر گواہ ہوتے جائیں گے اور اہل علم وارباب فن ہی کا گروہ تیری کامیابی پر ایک دلیل ناطق ہوتا جائے گا؛ لیکن علوم وفنون کے دفتر یہیں تک پہونچ کر خاموش نہ ہو جائیں گے، بلکہ تیری عقل ودانش، تیرے اثر وکامیابی سے گزر کر جب تیرے اخلاق کی بلندی، تیری زندگی کی پاکی وپاکیزگی، تیری سیرت کی عظمت وبزرگی کا تذکرہ آئے گا تو علم وفن کے دفتروں کی خاموش "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" زبان ایک بار پھر ناطق ہو جائے گی اور تاریخ تیرے آفتاب جمال کی نورانیت کے سامنے کسی بزرگ، کسی حکیم، کسی فاتح، کسی رشی، کسی مصلح، کسی نبی کی روشنی کو نہ پیش کر سکے گی، تاریخ اپنی فہرست مشاہیر (ہیروز) کو اول سے آخر تک دوہرا جائے گی، اپنے اسماء الرجال کو ایک ایک کر کے سنا جائے گی؛ لیکن زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر موقع پر اخلاق کی اس بلندی، ظرف کی اس وسعت، قلب کی اس فراخی اور مناقب کی اس جامعیت کی کسی دوسری مثال کے پیش کرنے سے عاجز رہ جائے گی۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے ماہر نفسیات کی تحقیقات ہے کہ نفس بشری تین اجزاء سے مرکب ہے، ایک عقل یا وقوف، دوسرے جذبات و احساسات، تیسرے ارادہ یا سعی عمل، ساتویں صدی کے ایک امی کی لائی ہوئی کتاب کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے تین مختصر وجامع فقروں میں دنیا کے مصلح اعظم کی ساری زندگی کا عطر کھینچ دیا اور حیرت انگیز اعجاز بلاغت وجامعیت کے ساتھ یہ تینوں حقیقتیں روشن کر دیں کہ:

۱- نہ تو ان پیغمبر کی عقل میں کسی طرح کا خلل اور دماغ میں کسی طرح کا فتور ہے، بلکہ ان پر تو عقل ودماغ پیدا کرنے والے کا خاص فضل ہے یعنی ان کی عقل تو مرتبہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے، ان کی عقل کے مرتبہ شناس ہونے کے لئے تو خود بھی بہت قابل ہونے کی ضرورت ہے: "مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ".

۲- اور نہ یہ ارادہ وہمت میں ضعیف ہیں نہ مخالفتوں کے ہجوم سے گھبرانے والے ہیں، یہ اپنے کام میں بدستور لگے رہیں گے اور ان کی اسی قوت ارادی کے جو عملی نتائج وثمرات نکلیں گے وہ جلد کیا معنی دیر میں بھی ختم ہونے والے نہیں، وہ غیر محدود اور غیر منقطع ہیں: "وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ".

۳- پھر اپنے جذبات کی پاکی وپاکیزگی اور اپنے احساسات کی بلندی وبرتری کے لحاظ سے بھی تاریخ کائنات میں اگر کوئی ہستی بزرگ وعظیم کہی جانے کی حقدار ہے تو وہ یہی ہے: "وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ".

دنیا میں اب تک جتنے مصلح اور بزرگ پیدا ہوئے ہیں، سب نے اسی سہ گانہ نفسی زندگی کی کسی ایک ہی صنف یا شاخ تک اپنی اصلاحوں کا دائرہ محدود رکھا ہے، کوئی وجود باری پر بہتر سے بہتر عقلی دلائل قائم کر گئے، معرفت الٰہی کے دقیق سے دقیق اسرار کھول گئے، رموز الٰہیات کی بہترین شرحیں لکھ گئے، کوئی ایسے آئے جو اپنے کلام کی شیرینی، زندگی کی سادگی اور پیام کی تاثیر سے دلوں کو موہ گئے، بزم

File F:\Front.tif not found.

کائنات کے جذبات کو بے خود و بے قرار کر گئے، محفل گیتی کے احساسات سوز و گداز سے گرما گئے اور کوئی ایسے بھی گذرے جنھوں نے اپنی ہمتوں کا ہدف بجائے دل و دماغ کے جسموں کو رکھا، اپنی زبردست قوت ارادی کی فوجوں کے ساتھ باطل کو ہر معرکہ میں شکست دی اور جو اپنی بے پناہ قوت عمل کی شمشیر زنی کا نشان رزم گاہ عالم کے چپہ چپہ پر ثبت کر گئے؛ لیکن وہ بے نظیر ہستی جو معرکہ بدر میں سپہ سالار بھی ہو اور بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ صبر کرنے والا بھی، جو ایک کامیاب و معاملہ فہم تاجر بھی ہو اور ساری ساری رات عبادت کے لیے کھڑے ہو کر کاٹ دینے والا بھی، جو ناصح بھی ہو اور زندہ دل بھی، جو فقر و توکل کا بھی بوریہ نشیں ہو اور آئین جہاں بانی کا معلم بھی، جو علم و حکمت کا درس بھی دیتا ہو اور عشق و محبت کے گر بھی سکھاتا ہو، جو ایک ہی وقت میں عقل و فہم کی درسگاہ کا استاد بھی ہو، جذبات کے چمن کا سب سے زیادہ لطیف، شاداب اور سدا بہار پھول بھی ہو اور سعی و ارادہ کے میدان میں سب کا سردار بھی ہو، ایسی جامع اور لاشریک لہٗ ہستی تو صرف اسی مصلح اعظمؐ کی ہوئی ہے جس کی تصدیق کسی وقتی معجزہ اور ہنگامی کرامت پر منحصر نہیں، بلکہ جس کی سچائی پر: "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ" دوات اور قلم اور ان کے لکھے ہوئے دفتر علوم و فنون کی خاموش زبانیں ہمیشہ کے لئے گواہ ناطق رہیں گی۔

آج کا ماہر نفسیات اپنی محدود بشری معلومات کے لحاظ سے کہہ سکتا ہے کہ ترتیب بیان میں جذبات کے ذکر کو ارادہ کے ذکر پر مقدم ہونا چاہیے تھا؛ لیکن اس بے چارہ کو اس کی خبر نہیں کہ سیرت کی بلندی کے اصلی امتحان کا وقت تو ہر قسم کی عملی کامیابیوں کے حصول کے بعد ہی ہوسکتا ہے نہ کہ ان کے قبل، اس لیے انتہائی عملی کامیابیوں کا ذکر سیرت کی بزرگی پر مقدم ہونا لازمی تھا، نفسیات کی عام درسی کتابوں میں لکھی ہوئی ترتیب میں اس بظاہر خفیف اصلاح کے ذریعہ کتاب مبین نے یہ پورا مفہوم واضح کر دیا کہ: "اے پیغمبر! ابھی تو تم کمزوری اور مغلوبی، بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہو، ابھی یہ نادان اور بدنصیب تمہارے اوپر مضحکہ کر رہے ہیں؛ لیکن عنقریب وہ دن آ رہا ہے جب تمہاری تبلیغ کا انھیں اعتراف کرنا پڑے گا اور تمہاری تبلیغ کی عملی کامیابی کی یہ نوبت ہوگی کہ بڑے سے بڑے خزانوں کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں گی، بڑی سے بڑی فوجوں کی سرداری تمہیں حاصل ہوگی، بڑی سے بڑی قوت و طاقت کے تم مالک ہوگے، اس وقت تمہارے 'خلق عظیم' کے جوہر چمکیں گے، اس وقت یہ نظر آئے گا کہ آج کی فروتنی و حلم، خاکساری و بردباری، نرمی و رحمدلی، مغلوبیت کی مجبوری سے نہیں، بلکہ تمہاری سرشت ملکوتی اور فطرت لطیف میں داخل ہے اور تمہاری سیرت کی بلندی و برتری کا پورا امتحان ان عملی کامیابیوں اور فیروزمندیوں کی معراج پر پہنچ کر ہوگا"۔

بشارت کا وقت

یہ بشارتیں اس وقت نازل ہوتی ہیں جب حق چاروں طرف سے باطل کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے، جب مکہ کا ایک پاک نسب یتیم اپنے گنتی کے چند رفیقوں کو چھوڑ کر مکہ اور گرد و جوار کی ساری آبادی خلاف اپنی بے چارگی اور بے بسی کو پوری طرح محسوس کر رہا ہے، جب چشم ظاہر کے سامنے کوئی ایک علامت بھی اس کی تائید و موافقت میں موجود نہیں، اس لیے معاً بعد یہ ارشاد ہوتا ہے: آج تو ان پیشین گوئیوں کو کون تسلیم کرے گا، آج تو خود ہی تمہارا دل سارے ظاہری اسباب کامیابی سے مایوس ہو چکا ہے: "فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ" لیکن عنقریب تمہیں بھی نظر آجائے گا اور انھیں بھی تم دیکھ لوگے اور یہ دیکھ لیں گے کہ واقعتاً نادان اور لایعقل اور سر پھرا ہوا کون ہے؟ آج یہ اپنے عقل و فہم کے غرہ میں تمہیں نادان سمجھ رہے ہیں: "إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ" لیکن کل ان نادانوں کو بھی نظر آجائے گا کہ بھٹکا ہوا کون ہے اور راہ راست پر کون ہے، کس کا دماغ اوہام و خیالات فاسدہ میں پھنسا ہوا ہے اور سررشتہ حقیقت کس کے ہاتھ میں ہے، کائنات کا پروردگار خود ہی اس کا فیصلہ کر کے رہے گا، قیامت ہی کو نہیں اس مادی و عنصری دنیا میں بھی۔

یہ فیصلہ عنقریب ہو کر رہے گا، نہ ہو کہ اسے دور سمجھ کر اپنے پیغمبر اور حالات کے ہجوم دیکھ کر کہیں تم ان نالائق جھٹلانے والوں کے کہنے سننے میں آجاؤ: "فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ" اور نہ ہو کہ ان باطل پرستوں کی مروت یا صلح جوئی اور مصالحت پسندی کے تقاضہ سے اپنے فریضۂ حق گوئی میں کچھ کمی آنے دو، یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہی یہ ہیں کہ ادھر تم اپنے فرائض تبلیغ و رسالت میں نرم پڑو اور ادھر وہ اپنی مشق ستم گوئی میں نرمی اختیار کر لیں، بلالحاظ عواقب، بلا خیال نتائج دعوت حق و تبلیغ رسالت میں لگے رہو، یہ تمھیں ضدی کہیں، جنگجو کہیں، غیر مصلحت اندیش کہیں، جو چاہیں کہیں، ان کی مروت و خاطر میں خود نرم پڑ جانے کا خیال تک دل میں نہ لانا۔

ہر نور کے مقابلے میں ظلمت، ہر ہدایت کے

مقابلے میں ضلالت، ہر راستی کے مقابلے میں کجی، فطرت کا دستور شروع سے چلا آرہا ہے، لطافت و پاکیزگی کے اس سرچشمہ نیکی وخلوص کے اس سمندر، خوبی ومحبوبی کے اس آفتاب کے مقابلے میں لازمی تھا کہ دوسری طرف شرارت ونفاق، گندگی وپلیدی، زشتی وخباثت کا ڈھیر بھی اسی درجہ کا ہو، اسی لیے فوراً ہی ارشاد ہوتا ہے کہ کس کے ساتھ مصالحت کروگے؟ کس کی جانب اتحادِ عمل کا ہاتھ بڑھاؤگے؟ کیا ایسوں کے ساتھ جن کے یہ خصوصیات ہوں گے؟ کیا ان کی طرف جن کے یہ اوصاف ہوں، جھوٹے لپاڑے:
"وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ، مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيْمٍ، عُتُلٍّ بَعْدَ ذَالِكَ زَنِيْمٍ، أَنْ كَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِيْنَ" بات بات پر بے ضرورت قسمیں کھانے والے، ذلیل وخوار جنھیں اپنی عزت نفس کا ذرا خیال نہیں، عیب لگانے والے، طعن کرنے والے، ادھر سے ادھر جا جا کر لگائی بجھائی کرنے والے، نیک کاموں میں روڑے اٹکانے والے، اپنی عقل کے غرہ پر اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو توڑنے والے، گناہوں کی گندگی میں لتھڑے رہنے والے، جھگڑے بکھیڑے کرنے والے اور پھر جس قوم وطبقہ میں شامل نہیں اس کی جانب اپنی نسبت کرنے والے، اور یہ ساری اکڑ کیوں؟ اس لیے کہ اپنے مال اور اولاد پر فخر ہے، اپنی جائداد اور جتھے پر ناز ہے۔

اسوۂ رسولؐ

رسولؐ آج چشم ظاہر سے مستور ہیں؛ لیکن اسوۂ رسولؐ مستور نہیں، وہ قدم جن پر پیشانیوں کا رگڑنا ہمارے لیے اوج سعادت تھا، آج ہماری نظروں سے اوجھل ہیں؛ لیکن نقش قدم موجود ہیں، صاحب 'خلق عظیم' رفیق اعلیٰ کی رفاقت میں ہے؛ لیکن 'خلق عظیم' کی امانت انسانوں کے سینوں اور کتب خانوں کے سفینوں میں آج بھی محفوظ ہے، پیامبر کا پیام زندہ ہے، کام زندہ ہے، نام زندہ ہے اور آج خاک کا ہر پتلا اپنے ظرف اور بساط کے مطابق اس گنج نور سے کسب فیض کرسکتا ہے، ٹھیک اسی طرح باطل پرستی کی بھی راہ آج بھی بند نہیں، جس طرح صاحب 'خلق عظیم' کی علوی نسبت زندہ قائم ہے، اسی طرح 'حلاف مہین' کا سفلی سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا ہے، بے ضرورت حلف نامے شائع کرنے والے، غیر اللہ کی قسمیں کھانے والے اسے کمال انشاء پردازی کا نمونہ سمجھ کر اس پر فخر کرنے والے، اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں اپنی عزت وشرافت، ظرف کا خون کرڈالنے والے، بے گانوں کے سامنے اپنوں کی مخبری وجاسوسی کرنے والے، نیک کاموں میں شرکت اور چندے سے مختلف حیلوں حوالوں سے روکنے والے، پردہ اور سود کے متعلق اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو اپنی روشن خیالی کے زعم میں توڑ ڈالنے، ان گناہوں کو گناہ نہ سمجھ کر ان پر فخر کرنے والے، لڑائی جھگڑوں کو طرح طرح کے پرفریب طریقوں سے طول دینے والے، اپنی بڑائی کا نقارہ اپنے ہاتھ سے پیٹنے والے، پاک وپاکیزہ گروہوں کی جانب بلا استحقاق اپنی نسبت دینے والے اور پھر یہ ساری زیادتیاں محض اپنے جتھے اور اپنے سرمایہ، اپنی پارٹی اور اپنے فنڈے کے بل بوتے پر کرنے والے جب تک روئے ارض پر موجود ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ صبح سعادت کی پوری نورانیت وضوفشانی کے ساتھ شب باطل بھی اپنی پوری تیرگی وسیاہی کے ساتھ موجود نہیں؟

ان بدنصیبوں کی بڑی شامت یہ ہوتی ہے کہ انھیں جب اللہ کی نشانیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، جب انھیں ان کے کرتوتوں کے نتائج پر آگاہ کیا جاتا ہے، جب انھیں احکام الٰہی پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو یہ بے توجہی سے منھ پھیر لیتے ہیں:
"وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ"
اور بجائے توجہ والتفات کے کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو سنی سنائی پرانی کہانیاں ہیں، پستی وگمراہی کا یہ آخری مرتبہ ہوتا ہے جب نصیحت یا موعظہ بھی تلخ معلوم ہونے لگتی ہے، جب راستی سے بے تعلقی و بیزاری اس حد تک پہونچ جاتی ہے جب حق و صداقت سے سارا رشتہ ٹوٹ کر پورا اعتماد صرف اپنی ذکاوت وذہانت اور اپنے جتھے اور سرمایہ پر رہ جاتا ہے تو اس وقت عذاب الٰہی اس شکل میں نازل ہوتا ہے کہ بد بخت کی ناک پر داغ : "سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُوْمِ" لگادیا جاتا ہے اور اس کے چہرے کو داغدار کردیا جاتا ہے اور اسکی توہین ورسوائی کا سامان دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں کردیا جاتا ہے، آخرت میں ناک پر جس پر داغ لگایا جائے گا اس کا حال وہیں معلوم ہوسکتا ہے، البتہ دنیا میں ناک پر داغ لگنے کا مفہوم بالکل واضح ہے، ہر وہ شے جو انسان کو ایسا بدنام و رسوا کردے کہ پھر وہ رسوائی اس سے دفع نہ ہوسکے، ہر وہ شے جو کسی کی سفیدی میں سیاہی لگادے، ہر وہ شئے جو کسی کے ایسے شرمناک جرم کو منظر عام پر لے آئے جس کے بعد مجرم منھ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

اس کے لیے 'وسم علی الخرطوم' اس کی ناک کا داغ ہے، حافظ حقیقی ایسے ناک کے داغ سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

اسوۂ حسنہ

آخری قسط

سیرتِ طیبہ کا پیغام عام مسلمانوں کے نام

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اتنے احسانات کیے، جن کو ہم کبھی شمار نہیں کر سکتے: " وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا" (تم اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو کبھی شمار نہیں کر سکتے)، اس اللہ کے لیے ہماری کیا خدمت ہے؟ اس کے لیے کون سی قربانی پیش کی گئی؟ اس اللہ کی عبادت ہم نے کس طرح انجام دی؟ کہنے کو نمازی ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور بہت ہی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن نماز کے اندر بھی ہمارا دل ادھر یکسو نہیں رہتا۔

نماز پڑھتے ہیں لیکن لوگوں سے جھگڑتے بھی ہیں، بے ایمانی بھی کرتے ہیں، خیانت بھی کرتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، جو گناہ کبیرہ ہے، جھوٹ بولنا تو فیشن ہو گیا ہے، جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بول کر اپنی ذہانت کا ثبوت نہ دے تو سمجھئے کہ وہ بیوقوف ہے، لیکن جھوٹ کیا ہے؟ گناہ کبیرہ ہے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "الصدق ينجي والكذب يهلك" سچائی آدمی کو نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ کام چل جائے گا، لیکن کام نہیں چلتا، انجام کار کے اعتبار سے تو ہلاکت ہی ہوتی ہے۔

غرض حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی اس کے اندر اسلام کی تمام تعلیمات آجاتی ہیں، اگر ان تمام باتوں پر ہم نے عمل کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بشارت ہمارے اوپر ثابت اور متحقق ہوتی ہے کہ ہمیں جنت میں داخلہ ملے، لیکن آپ سوچئے کہ اپنے حالات، معاملات، اعمال، کردار، زبان اور اپنے رویے سے کسی درجے میں بھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہیں؟ نہ ہماری زبان درست ہے، اور نہ ہمارے اعمال و اخلاق بہتر ہیں، اور نہ ہمارے اندر فضائل اور نیکیوں کا وہ جذبہ ہے جو ایک سچے مسلمان کے اندر ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیمات ہیں، اگر ان پر ہم نے عمل نہ کیا تو ہمارے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی صادق آئے گی کہ "اگر تم نے اعمال صالحہ کی طرف سبقت اور جلدی نہیں کی تو تم کو تاریک رات کے مانند سیاہ ٹکڑوں جیسے فتنے ہر طرف سے گھیر لیں گے، جن کا تم مقابلہ اور سدباب نہیں کر سکتے"۔

آپ غور کیجیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی جو کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہے، آپ کے تمام معاملات، آپ کی زندگی کے تمام لمحات ہماری نظروں کے سامنے اور سیرت کی کتابوں میں مدون ہیں، ان کو پڑھ کر ہم کون سی چیز اخذ کرتے ہیں اور اس کو اپنی زندگی میں داخل کرتے اور اس کو اپناتے ہیں، اور کون سی چیز چھوڑتے ہیں؟

اگر ہم اپنے ایمان میں سچے ہیں، اور آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہماری محبت کا دعویٰ سچا ہے، اور آپ کی اطاعت کا سچا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں تو ہمیں اس خلق عظیم کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنی چاہیے، جس کو لے کر آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے اپنی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: " إنما بعثت لأتمّم مكارم الأخلاق" میں صرف اس لیے بھیجا گیا ہوں، تاکہ دنیا کے اندر بلند اخلاق کا اعلیٰ معیار قائم کر کے دکھادوں، کہ ایک مسلمان کو ان مکارم اخلاق کا کس طرح پابند ہونا چاہیے، اس کی زندگی کے ایک ایک لمحے کا تعلق اسی خلق عظیم سے ہونا چاہیے، اور اسی خلق عظیم کی روشنی میں اس کی زندگی بسر ہونی چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آپ کی باتوں پر پوری طرح عمل کرتے اور کسی طرح اس بات پر راضی نہ ہوتے کہ آپ کا فرمان چھوڑ بیٹھیں، یا اسے بھول جائیں یا اس سے غفلت برت لیں، یہ نہیں ہوسکتا، سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر وقت وہ چیزیں ہماری نظروں کے سامنے رہیں، ہماری زندگی اور ہمارے رگ وپے میں سرایت کر جائیں، ہم کو دیکھ کر دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں، ایمان تازہ کریں اور تمنا کریں کہ ہمیں بھی ایسی زندگی حاصل ہو، ہم کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں کہ اللہ کا سچا بندہ دکھائی دے رہا ہے، ہم کو دیکھ کر اللہ کی یاد ان کے دلوں میں تازہ ہو جائے، ہماری زندگی ایسی ہونی چاہیے، ہماری زندگی ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم کو دیکھ کر لوگ نفرت کریں اور کہیں کہ دیکھو وہ جھوٹا آرہا

File F:\Front.tif not found.

ہے، بے ایمان آرہا ہے، جھگڑالو آرہا ہے۔

ہم جس ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ہم لوگوں کے سامنے سچی اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرتے، لیکن آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے وہ نمونہ پیش کررہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ اسلام سے نفرت کرنے لگیں، اور کہیں کہ اب اسلام اس قابل نہیں کہ چل سکے، کیوں کہ اس کی زندہ مثال مسلمانوں کی شکل میں موجود ہے، اگر اسلام کے اندر طاقت ہوتی، اور اسلام اگر اللہ کا سچا دین ہوتا تو مسلمان آج اس زبوں حالی اور بے چارگی میں مبتلا نہ ہوتے۔

لیکن اسلام سے ہمارا رشتہ نام کا رہ گیا ہے، کام کا نہیں، جب کبھی ضرورت پڑتی ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اور جہاں دیکھتے ہیں کہ یہاں مسلمان کہنا مناسب نہیں ہے وہاں ہم پہلوتہی کرجاتے ہیں، مردم شماری کے خانے میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوادیتے ہیں، اس لیے کہ آباو اجداد سب مسلمان چلے آرہے ہیں، اب کیسے یہاں غیر مسلم لکھوائیں۔

بھائی! اگر ہم صرف مردم شماری والے مسلمان ہیں اور موروثی طور پر مسلمان چلے آرہے ہیں، اور اعمال کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں اور اسلام کی تعلیمات ہمارے اندر زندہ نہیں ہیں، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو کس خانے میں رکھیں، کوئی ایسا بیچ کا راستہ نکال لیں جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق اور کوئی امتیاز نہ ہو۔

مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات پر مکمل طریقے سے عمل پیرا ہوں، اگر ہم کچھ چیزوں پر عمل پیرا ہیں اور کچھ چیزوں پر نہیں تو ہم پورے مسلمان نہیں ہوسکتے، اور یاد رکھئے! کہ مسلمان یا تو پورا پورا ہوگا یا پھر نفاق ہوگا، یہاں بیچ کی کوئی راہ ہے ہی نہیں: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً". (اے مسلمانو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ)، ہر اعتبار سے مسلمان بن جاؤ، جسم بھی مسلمان، جان بھی مسلمان، صورت سے بھی مسلمان، سیرت سے بھی مسلمان، قول کے لحاظ سے بھی مسلمان، عمل کے اعتبار سے بھی مسلمان۔

اگر تم ایسا نمونہ اور اسلام کے سچے وفادار بن جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اپنی زندگی میں نافذ کرلو تو آج ساری دنیا تمہارے قدموں میں گرے، آج دنیا کو تلاش ہے ایسے انسانوں کی، جن کے اندر حق ہو، صداقت ہو، اور جو اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے جینے کا جذبہ رکھتے ہوں، دوسروں کے لیے مفید ثابت ہورہے ہوں، دوسروں کے لیے خیرخواہی کا جذبہ ان کے دل میں موج زن ہو۔ یہ دین کیا ہے؟ یہ اسلام کیا ہے؟ یہ ایک خیرخواہی کا دین ہے، اس کا نام ہی 'نصیحت' (خیرخواہی اور وفاداری) ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدين النصيحة' قالوا لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم"، یعنی اللہ کے لیے بھی اور اس کے رسول کے لیے بھی اور اللہ کی کتاب کے لیے بھی خیرخواہی کا جذبہ، یہ کب ہوگا جب ہم پوری طرح مسلمان بن جائیں اور اپنی فکر سے زیادہ دوسروں کی فکر ہو، اپنی فکر تو اعمال اور ایک سچا پکا مسلمان بننے کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہو، مگر فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے دوسروں کی فکر کریں، جس حالت میں ہم ہیں اس سے بہتر حالت میں دوسروں کو دیکھنا چاہیں: "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه". (تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی نہ چاہے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے)۔

اپنے لیے ہم کیا پسند کرتے ہیں؟ عزت، عظمت، رحمت، نعمت، رضائے الٰہی، رزق میں وسعت وکشائش، کامیابی اور روشن مستقبل پسند کرتے ہیں، دوسروں کے لیے بھی ہمارا یہی جذبہ ہو کہ ہمارا بھائی بھی ترقی کرے، آگے بڑھے، یہ نہ ہو کہ ہم ترقی کریں اور دنیا چاہے جہاں جائے، لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے کیا مطلب؟ دنیا جہنم میں جائے، یہ کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے! یہ جذبہ کسی مسلمان کے اندر ہوگا؟ اور اگر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اپنے اسلام کا جائزہ لے۔

آج ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اسوۂ حسنہ ہمیں عطا فرمایا ہے اس سے ہم بالکل بے گانہ ہیں، اور ہمیں اس کی فکر نہیں ہے کہ ہم اپنے اندر ایک مرتبہ غور کرکے دیکھ لیں کہ ہمارے اندر کون کون سی باتیں ایسی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں اور کون کون سی باتیں ایسی ہیں جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں، اپنی زندگی کا جائزہ لیجیے، اپنے گردوپیش کو بہتر بنانے کی فکر

File F:\Front.tif not found.

کیجیے، اپنے بھائیوں کی خبر گیری کیجیے، اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کیجیے، اور اس ملک کے اندر اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان بنا کر پیش کیجیے، برادران وطن آپ کی طرف متوجہ ہوں گے، وہ کہیں گے کہ یہ مسلمان ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ بے ایمانی نہیں کرتے، ان کے گھر کا ماحول بہت اچھا ہوتا ہے، جس طرح یہ اپنا اور اپنے بچوں کا خیال کرتے ہیں اس سے زیادہ دوسروں اور دوسروں کے بچوں کا خیال کرتے ہیں، اپنے محلے اور اپنے معاشرے کے اندر اپنا مال خرچ کر کے سدھار کی پوری کوشش کرتے ہیں، فروتنی اور لوگوں کے ساتھ خاکساری سے پیش آتے ہوئے۔

آپ کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ اپنی زندگی کو نمونہ بنائیں، آپؐ کو دیکھ کر لوگ اس بات کی تمنا کریں کہ ہماری زندگی بھی ایسی ہو، ہمیں بھی یہ خوش حالی، بلندی، یہ خاکساری، یہ توکل، یہ اطمینان قلب، اور یہ امن وچین نصیب ہو۔

آج امن و عافیت کا مسئلہ کتنا پیچیدہ ہے، پوری دنیا مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک امن برپا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، کانفرنسوں پر کانفرنسیں ہورہی ہیں، مشوروں پر مشورے ہورہے ہیں، بڑے بڑے دانشور، بڑے بڑے مفکرین بلائے جارہے ہیں کہ اس مسئلے پر غور کریں کہ کس طرح امن عالم برپا ہو، لیکن کہیں وہ نسخہ مل نہیں رہا ہے، ملے کہاں؟ وہ نسخہ تو مسلمانوں کے پاس ہے، اسلام سے پہلے دنیا کی حالت دیکھئے! کیسی بدامنی تھی، لیکن اسلام کی آمد کے بعد ایسے امن اور سکون کی فضا قائم ہوئی کہ ایک بوڑھیا صحرا کے اندر مال و دولت لے کر تنہا سفر کرتی تھی، مگر کوئی ایسی للچائی ہوئی نگاہ نہیں تھی، جو اسے کسی قسم کا نقصان پہنچا سکے، بلکہ نقصان پہونچانے کے بجائے اس کا ساتھ دیتے تھے، مدد کرتے تھے، منزل مقصود تک پہونچا دیتے تھے۔

آج جو بیماریاں، جو خرابیاں، جو برائیاں اور جو پریشانیاں ہیں اور آپ اور آپ کے مال و دولت کو جو خطرات درپیش ہیں، سب اس لیے ہیں کہ اسلام سے آپ کا تعلق کمزور ہوگیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے آپ کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

آپ برا نہ مانیں، میں حقیقت بیان کررہا ہوں، اس حقیقت کو بیان کرنے دیجیے، حقیقت تلخ ہوا کرتی ہے، میں آپ سے یہی عرض کروں گا کہ ہماری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بسر ہونی چاہیے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الآخِرَ وَذَكَرَاللّٰهَ كَثِيراً" کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی آدمی کو ضرورت ہو، اور وہ آپؐ کی زندگی کے اندر موجود نہ ہو۔

اس لیے اصل یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل طریقے پر پیروی کریں، اور اس کے لیے جو بھی کوششیں ہوسکتی ہوں وہ کریں، صرف صورت یا ظاہر میں مسلمان بننا نہ ہمارے لیے مفید ہے، نہ ہمارے ماحول کے لیے نفع بخش۔

ہم اپنے ماحول کو بلند تر بنا سکتے ہیں، اس ملک کو جہاں مسلمانوں کی تعداد اتنی بڑی ہے، اگر ہم چاہیں اور ایک ٹھوس اور سنجیدہ فیصلہ کرلیں تو پورے اس ملک کو اسلام کی روشنی سے منور، اور دین کی بے بہا دولت ونعمت سے مالا مال کر سکتے ہیں، یہ ہمارے اندر کی کوششوں، ہمارے اندر کے جذبات اور ہمارے ایمان اور عزم و حوصلے پر موقوف ہے۔

ہم بلا وجہ دوسروں کا شکوہ کرتے ہیں کہ فلاں نے مارا، فلاں نے دبایا، فلاں نے حق تلفی کی، بالکل غلط ہے! نہ کوئی حکومت کسی کا حق مارتی ہے، نہ کوئی معاشرہ، نہ کوئی انسان! بلکہ انسان خود اپنا حق مارتا ہے، اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، جب ہم اپنے راستے سے ہٹ جائیں گے تو ذلیل ہوجائیں گے، اس لیے کہ ہر طرح کی عزت وکامیابی صرف اور صرف اسی راستے پر چلنے میں تھی جس سے ہم ہٹ گئے، دوسروں کو الزام دینے سے کچھ فائدہ نہیں، اپنے اندر جھانک کر دیکھئے کہ ہم اس بات کے حقدار تھے یا نہیں، ہمیں اس کی سزا ملنی چاہیے تھی یا نہیں! ہم کو کوئی حکومت، کوئی پارٹی سزا نہیں دیتی، سزا ہم اپنے آپ کو خود کو دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی وہ دولت دی ہے، ہمیں اسلام کا وہ معجزہ عطا فرمایا ہے جس معجزے کے ذریعے ہم پوری دنیا کو اسلام کے سائے تلے اور ایمان کی روشنی میں لا سکتے ہیں، جتنے مسائل آج دنیا کے اندر ہیں، چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، سیاسی ہوں یا اقتصادی، ہم ان تمام مسائل کا حل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں، اور اس دنیا کو امن و عافیت کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

فکر معاصر

دہشت گردی بنام انسدادِ دہشت گردی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

اسلام ایک کامل دین اور مکمل نظام حیات ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں نہ رہبانیت ہے، اور نہ مغربی تہذیب وتمدن کے ماننے والوں کی طرح صد فیصد آزادی، بلکہ یہ متوسط دین اور متوازن نظام زندگی ہے، اسلام کی ممتاز خصوصیت انفرادی واجتماعی زندگی اور خلوت وجلوت میں اللہ کے پاس جواب دہی کا استحضار ہے جو اسے دیگر مذاہب سے ممتاز بناتا ہے، اسلام کا امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ محبت واخوت اور بھائی چارہ کا مذہب ہے، اس میں جبر واکراہ اور زور زبردستی کی کوئی گنجائش نہیں، قرآن کریم میں ہے: ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہیے اور اچھے طریقے پر ان سے بحث کیجیے'' [سورہ نحل: ۱۲۵]، ''اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کیے اور کہا کہ میں تو فرمانبردار ہوں، اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو، تو دیکھوگے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، اب گویا وہ جگری دوست ہے'' [سورہ فصلت: ۳۴]، ''دین میں کوئی زور زبردستی نہیں، حق باطل سے الگ ہوچکا، پس جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور یقیناً اللہ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ [سورہ بقرۃ: ۲۵۶]

اسلام اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ منکرین اور معاندین کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا معاملہ کرو اور اعتدال کا موقف اختیار کرو، حدیث شریف میں ہے: ''تم میں سے کوئی شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے روکے، اگر یہ نہ ہوسکے تو اپنی زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے''، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آسانیاں پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو، خوشخبری دو، نفرتیں نہ پھیلاؤ''۔

ایک دفعہ ایک بدو نے مسجد کے صحن میں پیشاب کردیا، لوگ تادیب اور تنبیہ کرنے کے لیے اس کی طرف لپکے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اور اس جگہ پر ایک بالٹی پانی ڈال دو، کیونکہ تمہیں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، نہ کہ تنگی پیدا کرنے کے لیے''۔

اسلام نے انسانی فطرت کی رعایت کرتے ہوئے انتقام کی اجازت تو دی ہے، لیکن ظلم وزیادتی کے موقع پر عفو ودرگزر کو ہی یک گونہ فضیلت بخشی ہے: ''پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم اس کی اتنی ہی سرزنش کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے''۔ [سورہ بقرۃ: ۱۹۴]

زیادتی کا بدلہ عفو ودرگزر اور ظلم کا بدلہ حلم وبردباری سے دینے کی مثالیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں بکثرت موجود ہیں، اور صحابہ کرام نے بھی آپ کی اقتداء میں یہی طرز اختیار کیا اور یہی سلوک جنگ میں اور قیدیوں کے ساتھ بھی کیا گیا، اس کی سب سے بڑی دلیل بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثالی سلوک اور جنگ حنین میں اپنے مخالف جنگجوؤں کو مال غنیمت واپس کرنا ہے، روایت کی جاتی ہے کہ جب آپ نے مال غنیمت کی تقسیم شروع کی تو تالیف قلب کے طور پر اس کی ابتداء اشرافِ قریش اور ساداتِ عرب سے کی، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائی تھی، چنانچہ ابوسفیانؓ آپ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ قریش کے سب سے امیر شخص ہوگئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا، ابو سفیان نے کہا: اس مال میں سے ہمیں بھی نوازیئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! ابوسفیان کے لیے چالیس اوقیہ سونا تول دو اور سو اونٹ دے دو، ابوسفیان نے کہا: میرے بیٹے یزید کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یزید کے لیے بھی چالیس اوقیہ سونا اور سو عدد اونٹ دے دو، ابو سفیان نے کہا: یا رسول اللہ! میرے بیٹے معاویہ کے لیے؟، آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: بلال! ان کے لیے بھی چالیس اوقیہ سونا اور سو عدد اونٹ الگ کردو، یہ دیکھ کر ابو سفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ بہت نیک اور مہربان انسان ہیں، خدا کی قسم ہم نے آپ سے جنگ کی تو بہترین جنگ کرنے والے آپ تھے، ہم نے آپ سے صلح کی تو بہترین مصالحت کرنے والے بھی آپ ہی ثابت ہوئے،

File F:\Front.tif not found.

اللہ آپ کو بہترین بدلہ دے“۔

قبیلہ ہوازن کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وفد کے لوگ اپنے مال اور اہل وعیال کی واپسی کے متعلق رحم و کرم کی درخواست کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں مال اور اہل وعیال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے لیے کہا، ان لوگوں نے اہل وعیال کو اختیار کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبیلہ ہوازن کے ساتھ بنی عبد المطلب کے رشتوں کا خیال رکھتے ہوئے بہت رعایت کی اور صحابہ کرام سے ہوازن کے قیدیوں کو لوٹا دینے کے لیے کہا، چنانچہ صحابہ کرام نے ہوازن کے ہر قیدی کو ان کے سپرد کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں عفو ودرگزر اور تالیف قلب کا عنصر بہت نمایاں تھا، فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ بھی عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا جنہوں نے آپؐ سے جنگ کی تھی، بلکہ جو جنگوں میں آپؐ کے خلاف پیش پیش رہے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن دشمنوں سے کہا کہ آج رحم وکرم کا دن ہے، آج تم پر کوئی ملامت نہیں کی جائے گی، جاؤ، تم سب کے سب آزاد ہو، آپؐ نے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کو بھی پروانۂ امن عطا کیا اور فرمایا: ”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی مامون ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے“۔

عفو ودرگزر اور دلجوئی کے باب میں سب سے بہترین نمونہ آپ کا وہ مشہور خطبہ ہے جو آپؐ نے انصار کے سامنے فرمایا تھا، جب کچھ انصاری نوجوانوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم میں اہل مکہ کو ترجیح دینے پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، یہ خطبہ تواضع وانکساری کی بھی بہترین دلیل ہے، آپؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

”اے حضرات انصار! یہ کیا باتیں ہیں؟ جو آپ لوگوں کی نسبت سے مجھ تک پہونچی ہیں اور وہ کیا احساس ہے جو آپ لوگوں نے اپنے دلوں میں محسوس کیا ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کے پاس آیا اور حالت یہ تھی کہ آپ سب لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ کو راستہ دکھلایا اور آپ لوگ مالی تقویت کے معاملہ میں دوسروں کے دست نگر تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ لوگوں کی یہ محتاجی ختم کی اور آپ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کے دلوں میں آپس کی الفت پیدا کی، یہ سُن کر حضرات انصار نے کہا کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے اور وہ برتر ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے انصار بھائیو! کیا تم مجھ سے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہتے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا جواب دے سکتے ہیں، احسان وکرم سب اللہ اور رسول ہی کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بخدا تم اگر چاہو تو تم یہ کہہ سکتے ہو اور تم یہ کہو گے تو سچ کہو گے اور میں تمہاری تصدیق بھی کروں گا کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی اور آپ اپنی جگہ سے نکالے ہوئے تھے ہم نے آپ کو جگہ دی، اور آپ دوسروں کے سہارے کے محتاج تھے، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی کی، پھر آپ نے فرمایا: اے انصار بھائیو! کیا تمہارے دلوں میں میرے متعلق شکایت پیدا ہوئی اور یہ شکایت دنیا کی کچھ تھوڑی سی مزیدار چیز کے سلسلہ میں ہوئی کہ جس کو دے کر میں نے کچھ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام لے آئیں، اور میں نے تم کو تمہارے اسلام کے سہارے کے سپرد کر دیا، اے انصار بھائیو! کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں کہ دیگر لوگ یہاں سے بکریاں اور اونٹ لے لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کی طرف لوٹو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے تم جو لے کر لوٹو گے یقیناً اس سے بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ لوٹیں گے، میں تو اگر ہجرت کرنے کا عمل ضروری نہ ہوتا تو انصار ہی کے اندر کا شخص ہوتا اور میرا طرزِ عمل تو یہ ہے کہ لوگ کسی ایک گھاٹی یا وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی اور وادی میں چلیں تو میں انصار ہی والی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا، انصار تو شعار ہیں (یعنی اس لباس کی طرح ہیں جو ہر وقت جسم سے لگا رہتا ہے) اور دیگر لوگ اوپری کپڑوں کی طرح ہیں (یعنی ایسے کپڑے جن کی ضرورت ہر وقت نہیں پڑتی)، اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کی اولاد پر رحم فرما، اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما، راوی کہتے ہیں کہ یہ سننا تھا کہ لوگ رونے لگے، اور اتنا روئے کہ داڑھیاں ان کی آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم بالکل راضی اور خوش ہیں کہ ہمارے حصہ میں اللہ کے رسول آئیں، اس طرح ہم زیادہ فائدے میں ہوں گے“۔[رہبر انسانیت، مؤلفہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ص: ۳۰۸]

File F:\Front.tif not found.

اس مثالی نبوی طریقہ کی مثالیں صلح حدیبیہ اور دیگر غزوات میں بھی ملتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد حملہ، تشدد، انتقام یا لوگوں کی جان لینا نہ تھا، بلکہ قتل تو اسلام میں نہایت شنیع عمل قرار دیا گیا ہے، مثلاً حضرت مقدادؓ کا واقعہ دیکھ لیجیے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ میں حضرت مقداد کو بھی روانہ فرمایا، سارے لوگ منتشر ہوگئے، صرف ایک شخص رہ گیا جس کے پاس بہت سارا مال تھا، وہ ٹس سے مس نہ ہوا، اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اسے قتل کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: تم نے ایک کلمہ گو شخص کو قتل کر دیا، تم کل (قیامت میں) اُس کی کلمہ گوئی کا کیا جواب دوگے؟۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام کی مشرکین سے مٹھ بھیڑ ہوگئی اور صحابہ نے مشرکین کو شکست دے دی، دورانِ جنگ صحابہ میں سے کسی نے ایک شخص پر چڑھائی کی، جب وہ (مشرک) نیزے کی زد میں آگیا تو کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں، مگر انہوں (صحابی) نے اسے قتل کر دیا، اور اس کا سامان بھی لے لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جو اپنے دعوے کے مطابق مسلمان تھا، صحابی نے کہا: حضور! وہ بچنے کے لیے کہہ رہا تھا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا؟

اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا مسلم حکمرانوں کا بھی ہمیشہ سے غیر مسلموں کے ساتھ یہی موقف رہا ہے کہ ان کے دین ومذہب کا احترام کرتے تھے اور انہیں اپنی دینی تعلیمات پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مسلم مصنفین نے اسلامی نظام حکومت کو "عادلانہ نظام حکومت" قرار دیا ہے، اور جدید اصطلاح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں غیر مسلم اقلیتیں اپنے تمام حقوق سے مستفید ہوتی ہیں، اور ان پر (جبراً) اسلامی قانون نافذ نہیں کیا جاتا۔

موجودہ سیاسی رہنماؤں اور قائدین کی اسلام اور اسلامی دعوت سے عداوت اور مخالفت غلط فہمی اور دلوں کو مسخر کر لینے والی پرکشش اسلامی تعلیمات سے خوف کا نتیجہ ہے، کیونکہ اسلام کا تیزی سے پھیلنا، لوگوں کا اسلام قبول کرنا، بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کا اسلام کا مطالعہ کرنا اور پھر اسے اپنا لینا، انہیں ہراساں کیے دیتا ہے، چنانچہ اسلام دشمنی یا اسلام کو دہشت گرد کہنا دو وجہ سے ہوسکتا ہے، اول تو غلط فہمی یا اسلام سے ناواقفیت ہے، دوسری وجہ مغرب میں اسلام کا بہت تیزی سے پھیلنا ہے، جیسا کہ میڈیائی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ اس غلط نظریہ کی بنیاد پر دشمن طاقتیں مذہبِ اسلام اور اسلامی تحریکوں کی غلط تصویر کشی کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنا رہی ہیں، دوسری طرف دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں میں سے بعض کی نامناسب یا انتقامی جذبہ سے کی گئی کارروائی بھی اسلام کے خلاف جنگ کے لیے ایندھن کا کام کر جاتی ہے، تو کبھی مغربی تنظیموں وتحریکوں کی تقلید میں بعض اسلامی تحریکات کے مزاحمتی وسائل بھی اس کا سبب بنتے ہیں، اور نتیجۃً اسلام کو دہشت گردی کا مذہب کہا جانے لگا ہے، اور اسلام مخالف عناصر اسلام پسندوں کے خلاف بیخ کنی کے سارے وسائل استعمال کر رہے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کی عملی زندگی کا جو حال ہے وہ تو الگ ہے، اس کے علاوہ بھی مسلمان انتہائی سخت حالات کا سامنا کر رہے ہیں، انہوں شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، آزادی سلب کر لی گئی ہے، اور بلاتحقیق دہشت گردی کا ملزم ٹھہرایا جا رہا ہے۔

آج ساری دنیا میں حتیٰ کہ ان ممالک میں بھی جہاں اسلام کے نام پر ہی حکومتیں بنتی ہیں، مسلمان المناک مراحل سے گزر رہے ہیں، ان کی دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب وثقافت پر حملہ کیا جا رہا ہے، وہ جنگ جیسے حالات سے دوچار ہیں، متعدد ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور انہیں جلاوطن کیا جا رہا ہے، ان ظالمانہ اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملت کا بیس ملین سے زیادہ جانی نقصان ہو چکا ہے، انسانی حقوق کی ایجنسیاں اور بطور خاص اقوام متحدہ سب دیکھ رہے ہیں، مگر خموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، ان دہشت گردانہ جرائم کو روکنے کے لیے کوئی کارروائی نہیں کر رہے ہیں، بلکہ مسلمانوں ہی پر دہشت گردی کا الزام لگایا جا رہا ہے، ہر موقع پر شک کی سوئی انہیں کی طرف گھومتی ہے اور جب بھی کہیں دہشت گردی اور تشدد کا کوئی واقعہ سامنے آتا ہے تو بلاتحقیق دہشت گردی کا سار الزام مسلمانوں ہی پر لگا دیا جاتا ہے، اس وقت مسلمانوں پر ابوالعلاء المعری کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

وکیف تنام الطیر في وکناتها
وقد نصبت للفرقدین حبائل

پرندوں کو سکوں کیوں کر میسر ہو نشیمن میں
شکاری جال پھیلائے ہوئے ہیں باغباں بن کر

[ترجمانی: محمد قمر الزماں]

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

حقوق رسول

نبوت محمدیﷺ اور امت کی ذمہ داریاں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ربیع الاول کا مہینہ گذر چکا ہے، سیرت پر کتنی ہی تقریریں سنی گئی ہیں اور کتنے ہی مضامین لکھے گئے ہیں، سیرت کے بہت سے پہلو ہیں، ہر پہلو قلب ونگاہ کے لیے جذب وکشش کا سامان اور ایمان ویقین کے لیے اضافہ وطمانیت کا باعث ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و احسانات کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خود ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تئیں کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا ہم واقعی ان حقوق کو ادا کر رہے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا ہے، ایمان محض زبان کے بول کا نام نہیں ہے، بلکہ قلب ونظر کے یقین سے عبارت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے احکام پر بھی ہمارا پورا ایقان ہو، ہماری سچ یہ ہو کہ ہماری آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں، ہمارے کان غلط سن سکتے ہیں، ہماری زبان غلط چکھ سکتی ہے، ہمارے ہاتھ چھونے اور محسوس کرنے میں غلطی کر سکتے ہیں، لیکن جو بات صحیح اور مستند طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو وہ غلط نہیں ہو سکتی، اگر دل میں یہ یقین گھر کر لے تو انسان کی عملی زندگی میں ایسا انقلاب آجائے کہ اس کے روز وشب اور شام وسحر بدل جائیں، مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے، مثلاً رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ صدقہ برکت کا باعث ہے اور سود بے برکتی کا سبب، اب جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل ایمان و ایقان رکھتا ہو، اس کا قلب وذہن یقیناً اس پر مطمئن ہوگا اور جس شخص کا ایمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر کھوکھلا ہو وہ تو یہی سوچے گا کہ صدقہ سے مال کم ہوتا ہے اور سود سے بڑھتا ہے۔

نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کا اہم پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نبی نہیں ہیں، بلکہ خاتم النبیین ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی طرح کی کوئی نبوت باقی نہیں رہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ بالیقین مرتد ہے اور اس کو قبول کرنے والے بھی دائرۂ اسلام سے باہر ہیں، یہ ختم نبوت کا عین تقاضہ ہے، اس وقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو ختم نبوت کے باغی ہیں اور جو پنجاب کے ایک مدعی نبوت کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچا اور پکا ایمان ایک مسلمان کو تڑپا دے گا اور وہ اس فتنہ کبریٰ کے استیصال کے لیے اٹھ کھڑا ہوگا، اگر یہ بات ہماری غیرت کو جنبش نہیں دے تو یہ یقیناً ہمارے ایمان کی صداقت اور اس پر استقامت کے لیے ایک سوالیہ نشان ہوگی، ہمیں اس فتنہ کی بیخ کنی کے لیے قریہ قریہ پہنچنا اور اپنے بھولے بھالے ناواقف اور سادہ ذہن مسلمان بھائیوں کو صحیح صورت حال سمجھانا ہوگا اور اس طرح ہم عمل وقانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس بغاوت کا مقابلہ کر سکیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت پر دوسرا حق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت کا تعلق محض قانونی اطاعت اور آئینی احترام کا نہیں، بلکہ ایسی اطاعت مطلوب ہے، جس کے پیچھے بے پناہ محبت کارفرما ہو، ایسی محبت کہ انسان لٹ کر محسوس کرے کہ اس نے پایا ہے، ایسی محبت کہ انسان کھو کر سمجھے کہ اس نے حاصل کیا ہے، ایسی محبت جس میں کانٹوں کا بستر سیج کا لطف دے اور جس راہ میں شعلہ وآتش میں انسان شبنم کی خنکی محسوس کرے، جنون کو چھوتی ہوئی محبت اور فداکاری کے جذبہ سے معمور اتھاہ چاہت، یہی محبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرات صحابہؓ کی تھی کہ انہیں جان دینا گوارہ تھا اور یہ بات بھی برداشت نہ تھی کہ ان کی جان بچ جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

یہ حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کی حفاظت کا بہت بڑا اثاثہ ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمان کتنا بھی گیا گزرا ہو، بے نمازی ہو، فرائض سے غافل ہو، شراب وکباب جیسی بری عادتوں میں مبتلا ہو، دین سے نابلد اور احکام شریعت سے ناواقف ہو، لیکن اس کے سینے میں حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چنگاری ضرور موجود ہوتی ہے، جو وقت پڑنے پر شعلہ وآتش فشاں بن جاتی ہے، اس جذبہ محبت کا حقیر نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ اس کی لو کو اور بڑھانا اور تیز کرنا چاہیے اور ہمیں آباء و اجداد سے حاصل ہونے والی اس امانت کو اگلی

File F:\Front.tif not found.

نسلوں تک پہنچانا چاہیے، یہ محبت اسی وقت پروان چڑھے گی، جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان ان میں پیدا ہوا اور یہ پہچان کیونکر پیدا ہوگی، اگر وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگاہ نہ ہوں؟ مقام افسوس ہے کہ ہمارے بچے نہرو جی اور گاندھی جی کی سیرت سے تو واقف ہوں، اور یقیناً اپنے وطن کی تاریخ سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے، لیکن وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بنیادی باتوں سے بھی واقف ہوں، انہیں صحیح طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی متعلقین کا نام تک معلوم نہ ہو، کیا اپنے بچوں کو سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقف کرانے میں بھی ہمارے لیے کوئی رکاوٹ ہے؟ حق محبت کا ایک ادنیٰ حصہ بھی اسی وقت ادا ہوگا جب ہم محبت کی اس امانت کو اپنی نسلوں تک پہنچائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے محبت ہو، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی اولاد کا درجہ دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف امت کے صالح اور نیک لوگ بلکہ گنہ گار سے بھی محبت فرمایا کرتے تھے، آپ کو گناہ سے نفرت ضرورت تھی، لیکن گنہگاروں سے نفرت نہیں تھی، دیہات وقریہ جات کے لوگ جو مقام نبوت سے کماحقہ واقف نہ تھے اور اسی سادگی اور سادہ لوحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام کماحقہ ملحوظ نہیں رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ ان کے ساتھ بھی شفقت و محبت کا ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی غلطیوں کو معاف کرتے، ان کی کوتاہیوں سے درگذر کرتے، ان کی تندخوئی پر تحمل اور بردباری سے کام لیتے، امت کے ایک ایک فرد کا دکھ خود محسوس کرتے اور ایک ایک انسان کی فلاح وہدایت کے لیے بے چین رہتے، غرض یہ پوری امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت ومحبت کے زیرسایہ ہے جیسے کسی شخص کی محبت اس کی اولاد سے محبت کا باعث ہوتی ہے اور اس کے پورے کنبہ وخاندان سے انسان انس محسوس کرتا ہے، اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پورے روحانی کنبہ سے ہمیں محبت ہو، ان کے زخم کو ہم اپنے سینہ پر محسوس کریں اور ان کی تکلیف ہم کو بے چین وبے قرار کردے، اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ساتھ مسلمان کے ساتھ بھی خیرخواہی کی بیعت کرلیا کرتے تھے۔

آج امت میں فرقہ بندی وپراگندگی کی صورت ہے، ہمارے دل ایک دوسرے سے ٹوٹے ہوئے ہیں اور ہماری صفیں بکھری ہوئیں ہیں، غور کیجیے کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضہ یہی ہے؟

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند ہوجائے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس قدر احترام واجب ہے؟

صحابہ کرامؓ نے اس طرح احترام کا حق ادا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو وہ اس طرح گوش برآواز ہوکر آپ کے گرد بیٹھتے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں، مبادا اڑنہ جائیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلی کرتے تو صحابہؓ پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے، بلکہ ہاتھوں، چہروں اور سینوں پر مل لیتے۔

آج عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمارے سینے سنتوں کی عظمت سے معمور ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک سنت کا ہم احترام کریں، کوئی بھی سنت جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو گو اس پر عمل کرنا واجب نہ ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کا احترام دلوں میں بھی ہو اور زبان پر بھی، اگر کسی ایسی سنت کا مذاق اڑایا جائے جو صحیح روایتوں سے ثابت ہو تو یاد رکھئے کہ یہ کفر ہے، کیونکہ کوئی معمولی عمل بھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہو تو یہ نسبت اسے عظمت عطا کرتی ہے اور اس کو واجب الاحترام بنادیتی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پانچواں حق اطاعت وفرماں برداری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں کا حکم دیں ان کی تعمیل واجب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن باتوں سے منع فرمادیں، ان سے رکنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص اپنے باہمی اختلاف میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کردے وہ مومن ہی نہیں ہے: ”فَلَاوَرَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ“ [النساء/۶۵] کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے: ”مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ“.

اطاعت وفرماں برداری اور تسلیم ورضا کا

File F:\Front.tif not found.

امتحان اس وقت ہوتا ہے جب کوئی حکم انسان کے مفاد، اس کے جذبات اور اس کی خواہشات کے خلاف سامنے آئے، وہاں اپنے وقتی مفاد اور نفس کی خواہش پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو غالب رکھنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اطاعت ہے، آج ہم اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیں کہ نکاح، شادی بیاہ کی تقریبات، ازدواجی زندگی کے اختلافات، میراث کی تقسیم، کاروبار و معاملات اور نہ جانے کتنے مواقع ہیں کہ تھوڑے سے مفاد کے لیے بھی احکام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پامال اور نظر انداز کرنے میں نہ کوئی تکلف ہوتا ہے اور نہ کوئی تامل۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک عمل پر اپنے عمل کی بنیاد رکھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو اپنے لیے اسوہ ونمونہ بنانا، قرآن میں ایک سے زیادہ مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ منشاء ربانی کا مظہر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اٹھنا اور بیٹھنا، سونا اور جاگنا کھانا و پینا، جلوت و خلوت، لوگوں کے ساتھ تعلقات، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ سلوک، وضع وقطع اور لباس و پوشاک، غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک عمل انسان کی عملی زندگی کے لیے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے، جس کی روشنی میں انسان اپنے خدوخال درست کرسکتا ہے، یہی اتباع سنت اسلام کا خلاصہ ہے۔ اور یہ انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اس طرح محفوظ کردی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اس کو عمل اور برتاؤ کے لیے کسی اور طرف دیکھنے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت نہیں، مذاہب عالم میں کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس کے پیشوا اور اس قدر رونق اور تابناک ہو اور وہ تمام نشیب وفراز میں انسان کے لیے نقش راہ کا کام کرسکے، پس رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع وپیروی امت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہیں، ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم ان حقوق کو ادا کررہے ہیں، کہیں روز محشر میں ہمارا اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سامنا نہ ہو کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حق تلفی کے مجرم ٹھہرائے جائیں۔

☆☆☆☆☆

مدارس اسلامیہ، دینی وعصری اسکول وجامعات کے
طلباء واساتذہ کے لیے چہل حدیث کا بہترین انتخاب

بقلم : مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

☆حدیث کی روشنی (اردو)

صفحات:-94 قیمت:-50

☆حدیث کی کرنیں (ھندی)

صفحات:-96 قیمت:-50

☆انلائٹ مینٹ آف حدیث(انگریزی)

صفحات :136 قیمت:60

رابطہ

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی

موبائل نمبر:9919331295

File F:\Front.tif not found.

حدیث دل

اخلاص کے ثمرات وبرکات

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوشخص محض تنہا خدا کی خاطر اور کسی غیر کو اس کی عبادت میں شریک کئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوا، نماز کا اہتمام کرتا رہا، زکاۃ دیتا رہا، وہ اس حال میں وفات پائے گا کہ اللہ جل شانہ اس سے راضی ہوں گے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جوشخص دنیا سے اس طور پر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ خالص ہو چکا ہو، یعنی اپنی نیتوں کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر چکا ہو، تو اللہ اس سے راضی ہوگا، لیکن ہر عمل میں پہلے نیت کا استحضار ضرور کر لینا چاہیے، جیسے نماز میں کیا جاتا ہے، جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ أکبر کہنے سے پہلے یہ الفاظ ضرور کہتے ہیں کہ نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز کی....... حالانکہ نیت دل میں ہے، لیکن زبان سے اس لیے کی جاتی ہے کہ دل بھی سن لے، اس لیے کہ بعض دفعہ دل بہرا ہوتا ہے تو زبان سے جب آدمی کہتا ہے تو دل سن لیتا ہے، اور نیت کر لیتا ہے، جیسے جب آدمی کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کو تلقین کرو، اسی لیے ایک آدمی بیٹھ کر کلمہ پڑھتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تاکہ یہ جو مر رہا ہے اس کو چونکہ کلمہ یاد ہے، لیکن جب یہ سنے گا تو پڑھنے لگے گا، ایسے ہی نیت بھی ہے، کہ آدمی جب نیت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہے بلکہ جب خدا کے سامنے کھڑا ہو گیا تو نیت اندر سے کرنی چاہیے، کہ "میں نیت کرتا ہوں آپ کے لیے نماز پڑھ رہا ہوں، قبول فرما لیجئے"، اب اگر وہ ایک رکعت بھی قبول کر لیں تو بیڑا پار ہے، اور اگر نہ قبول کریں تو پھر ساری زندگی ساری عبادتیں اور ساری ریاضتیں اور سارے مجاہدات بالکل گوبر ہو جائیں گے، کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

اعمال کرتے رہنے کا فائدہ

ایک بڑے اللہ والے کے بارے میں آتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا غالباً جنید بغدادی کا نام آتا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا کہ جتنی نمازیں پڑھی تھیں وہ تو کچھ نظر نہ آیا دو رکعت فلاں جگہ پڑھی تھیں، بس وہی قبول ہو گئیں، اور بیڑا پار ہو گیا، اس لیے یہ جو ہم لوگ ہر وقت روزہ، نماز، زکوٰۃ میں لگے رہتے ہیں، اس کا یہی مقصد ہے کہ نہ جانے اللہ تعالیٰ کو کون سی ادا پسند آجائے اور بیڑا پار ہو جائے، اور لگنا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح نہیں کیا ہے کہ کون سا عمل قبول ہوگا یا کون سا نہیں، معلوم یہ ہوا جو کچھ بھی بتایا ہے کرنا تو سب ہے، لیکن کون سا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوگا وہ خدا ہی جانے، جیسے کھانے کے بارے حدیث میں آتا ہے کہ آپ جب کھائیں تو اس میں کوئی لقمہ نہ چھوڑیئے پلیٹ کو چاٹ لیجیے، یہاں تک کہ انگلیوں کو بھی چاٹ لیجئے اس لیے کہ اس میں یہ نہیں معلوم اس میں کون سا حصہ برکت والا ہے، آپ نے کھایا سب کچھ اور برتن ایسا ہی چھوڑ دیا تو وہ سب بے کار ہو جائے گا، اسی لیے بعض دفعہ آدمی کھانا کھاتا ہے لیکن طاقت محسوس نہیں کرتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ برکت والا حصہ پلیٹ میں چھوڑ دیا، اور جب بسم اللہ کہہ کر تین انگلیوں سے چاٹ کر کھائے گا یعنی آداب کی رعایت کر کے کھائے گا تو برکت آئے گی۔

نیتوں میں خلوص کی ضرورت

ایسے ہی جو اخلاص کے ساتھ اس دنیا سے جائے گا اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرے گا کہ اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، عقیدہ اس کا بالکل درست ہو، اور نماز قائم کرتے ہوئے زکاۃ دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو تو اللہ کی رضامندی اس کو مل جائے گی اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہی نہیں، سب سے زیادہ خوشی کی بات جنت والوں کے لیے یہی ہوگی جب جنتیوں سے کہا جائے گا کہ تم کو جنت مل گئی، تم کو جنت کے باغات مل گئے، تم کو جنت میں محل مل گئے، تم کو جنت میں حوریں مل گئیں، تم کو یہ مقام مل گیا، اور اب اللہ تعالیٰ بھی تم سے راضی ہو گیا، اب تم سے ناراض نہیں ہوگا، بس اس پر سب بہت خوش ہوں گے، کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں، یہاں فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ہماری خوشنودی تم کو مل جائے اور پروانہ رضا کا تم کو مل جائے، تو اپنی

File F:\Front.tif not found.

نیتوں کو خالص کرلو۔

رضائے الٰہی کا راز

صحابہ کرامؓ کی جو زندگی تھی وہ یہی تھی، کہ کچھ ملے یا نہ ملے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، اللہ میاں نے دنیا ہی میں ان کو رضا مندی کا پروانہ دے دیا، وہ اللہ سے راضی، اللہ ان سے راضی، اور جو اللہ سے راضی اللہ اس سے راضی، صحابہ کرام کو کہا گیا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ، اللہ سے وہ راضی، تو جب اللہ سے وہ راضی، اللہ ان سے راضی۔ یہاں پر اس سے یہ بات سمجھنا چاہیے کہ ہم میں سے بھی جو شخص دنیا سے اخلاص کے ساتھ جائے اور شرک نہ کرے، نماز قائم کرے، زکاۃ دے، جب یہ سب اعمال وہ کرے گا تو گویا کہ وہ اللہ سے راضی ہوگیا، اور جب وہ اللہ سے راضی ہوگیا، تو اللہ اس سے راضی ہوگیا، اور جو اللہ کے لیے کوئی کام شرک سے بچتے ہوئے کرے گا، تو اللہ اس سے ضرور راضی ہوگا، یہ یاد رہے کہ اگر شرک کرلیا تو پھر اس کے بعد تو چاہے کوئی بھی شخص جتنا بھی اچھا کام کرلے کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہوسکتا، اس لیے شرک سب سے خطرناک اور ناپاک، گندی وپلید چیز ہے، اس سے زیادہ گھناؤنی کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی ہے، اس سے تو بچنا ہی بچنا ہے، جب اس سے بچ جائے، اور نیت درست کرلے اور نماز قائم کرلے، زکاۃ دیتا رہے، تو اللہ تعالیٰ نے گویا کہ اس کو رضا مندی کا پروانہ دے دیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ میں خلوص اور اپنی رضامندی کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

File F:\Front.tif not found.

سیدالاولین والآخرین کے امتیازات

عالمی تناظر میں

● ....مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطافرما کر میری مدد کی گئی، زمین کو میرے لیے جائے نماز اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے، لہٰذا میری امت کا کوئی بھی فرد نماز کا وقت پالے تو نماز پڑھ لے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا، میرے لیے اسے حلال کیا گیا ہے، مجھے شفاعت کا اعزاز بخشا گیا ہے، پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے، مجھے ساری انسانیت کی طرف بھیجا گیا ہے۔

[بخاری ومسلم]

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، اگر ان نعمتوں کو شمار کیا جائے تو شمار کرنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" [سورہ ابراہیم:] بہت سی نعمتوں میں ساری انسانیت شریک ہے، کسی کے لیے خاص نہیں ہیں، مثلاً ہوا، پانی، زمین، روشنی، آسمان، سیارگان فلک، موسموں کی آمدورفت، بہاروخزاں کا نشیب وفراز، کوہ ودمن کی رعنائیاں، خیابانوں کی گل افشانیاں، دریاؤں کا تموج، سمندروں کا سکوت سب کے لیے ہیں، آفتاب کی کرنیں اور چاند کی چاندنی سب کے لیے لطف فراواں کا باعث ہیں۔

لیکن کچھ مخصوص نعمتیں ہیں جن سے اللہ عز وجل نے بعض مخصوص بندوں کو نوازا ہے، جس طرح نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا ہے، اسی طرح ان نعمتوں سے بھی خاص طور پر بہرہ ور کیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو خاص خاص لطف وانعام سے سرفراز کیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو صفوت، انتخاب، اور اسماء کے فہم کا شرف عطا فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام کو جدوجہد اور عزم وارادہ کی روح عطا کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء، عشق توحید اور خلیل اللہ کے درجہ سے بہرہ ور کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم وتربیت، عمرانیات، معاشرہ کا نظم ونسق اور حسن سلیقہ سے بہرہ ور کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نرمی و شفقت، صبروتحمل، معاشرے میں رواداری اور محبت کی نشرواشاعت کے وصف سے سرشار فرمایا، اور سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی امت کو ارادے، حکمت، اعتدال ومیانہ روی اور تحلیل وترکیب، فہم وفراست جیسی صفات سے نوازا، جو عالمی پیغام کے لیے ضروری ہوتی ہیں، نیز سابقہ انبیاء کرام کی صفات اس پر مستزاد ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام تمام مذاہب سے زیادہ ذمہ داریوں کا حامل ہونے کے باوجود سب سے زیادہ نرم، بلند مرتبہ، بابرکت اور انسانی صفات سے قریب تر ہے، اس لیے اسلام بجا طور پر عالمی مذہب کہلانے کا مستحق ہے۔

لہٰذا یہ حدیث مبارک اس عالمی اور جامع پیغام رسالت کو انتہائی دلکش انداز میں غوروفکر کے لیے پیش کررہی ہے۔

جب اس عالمی دین اور اس کے جامع پیغام کو لے کر اس کے اولین داعیوں نے تگ ودو شروع کی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اسلام کی حقانیت کو بجا طور پر ثابت کرنے کے لیے نکل پڑے، تو ان کے سامنے ہر طاقت لرزاں وترساں نظر آئی، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کے قلعے اسلام کے ضرب سے بکھر کر رہ گئے، اور اس کا رعب ایسا طاری ہوا کہ چند سال کی مدت میں لاکھوں میل مربع پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی، اس لیے "نصرت بالرعب مسیرۃ شھر" ایک ماہ کی مسافت تک رعب عطا کر کے میری مدد کی گئی ہے، کا وعدہ مخلص اہل ایمان کا خوفناک اسلحہ اور مضبوط قلعہ ہے، آج دنیا اسی رعب یزدانی سے خائف ہے، اور اس کی آواز کو دبانے کے لیے لاکھوں قسم کے جتن کیے جارہے ہیں، لیکن ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دوسری صفت اس دین کا مزاج عالمی ہے، لہٰذا اسے زمین وآسمان کے قیدوبند سے آزاد کیا گیا ہے، پوری روئے زمین عبادت کا محل ہے، اور ہر فرد اس کی ادائیگی پر قادر ہے، شرط یہ کہ وہ بالغ ہو، مسلمان اور عاقل ہو، یہاں رجال

File F:\Front.tif not found.

الدین کا وہ تصور نہیں ہے جو دیگر مذاہب میں لازمی عنصر کا درجہ رکھتا ہے۔

آپ کی رسالت عالمی ہے، علاقہ، رنگ و نسل کی قید کی چھاپ سے وہ آزاد ہے، تمام عالم کے آپ ہادی ہیں، اور سب کی دینی، ایمانی اور روحانی ضرورتوں کا تکفل اب آپ کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔

معاشیات کے میدان میں بھی دیگر قوموں کے مقابلہ میں وسعت دی گئی، دشمن کے مال کو اگر حاصل کیا گیا ہے، تو اس کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے، اس پر جو صدیوں سے قدغنیں عائد تھیں، وہ یک لخت ختم کردی گئیں، اسلام کے مزاج میں فطرت انسانی سے جو قرب ہے، اس کا یہ امتیازی وصف ہے۔

اس طرح آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کبریٰ سے نوازا گیا ہے، یہ اس امت کے لیے بڑا اعزاز ہے، جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اس وقت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے لوگ شادکام ہوں گے، آسانیاں پیدا ہوں گی، اور بالآخر جنت کے فیصلوں میں اس شفاعت کبریٰ کا اثر نظر آئے گا۔

حدیث شریف سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ نبوت ورسالت ایک ایسا عطیہ خداوندی ہے جسے انسانی کدوکاوش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ مذکورہ بالا خصائص دعوت محمدیؐ کے امتیازات ہیں، یہ کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں کیے گئے۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆غبارِ کارواں

(کاروان ادب اسلامی کے اداریے اور دیگر رشحات قلم)

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

کل صفحات: ۲۳۴ قیمت: ۱۵۰ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

File F:\Front.tif not found.

میزان عمل

صحیح بخاری کے تین سبق

تصحیح نیت، محاسبۂ نفس اور ذکر الٰہی

مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اللہ تعالیٰ نے حدیث کو قرآن مجید کی شرح بنایا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن مجید کا صحیح فہم اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے اور جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے کلام کا مطلب سمجھا جائے، اور جو اس کی تشریح کی جائے، اس کے مطابق وہ اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اس کی وضاحت اور تشریح فرمائی ہے، اسی کے مطابق اس کو سمجھنے کی کوشش کرے، چنانچہ اگر کوئی انسان قرآن مجید کو اپنی فہم اور اپنی رائے سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ ٹھوکر کھاتا ہے، اس سے غلطیاں ہوتی ہیں، لیکن قرآن مجید سمجھنے کے لیے سیرت طیبہ اور احادیث مبارکہ کا سہارا لیتا ہے، اس کی روشنی میں فہم پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ فہم صحیح ہوتا ہے، حدیث کی کتابوں میں صحیح ترین کتاب اہل علم کے نزدیک صحیح بخاری ہے، جس کو ''أصح کتب بعد کتاب اللّٰہ'' کہا جاتا ہے، یعنی اللہ کی کتاب ''قرآن مجید'' کے بعد صحیح ترین کتاب امام بخاریؒ کی صحیح بخاری ہے۔

صحیح بخاری کا امتیاز

صحیح بخاری کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی تمام حدیثیں صحیح ہیں، امام بخاریؒ نے اس کتاب کو مرتب کرنے میں بڑا اہتمام کیا، جب بھی کسی باب کا آغاز فرماتے تو ریاض الجنہ میں بیٹھ کر، غسل فرما کر، بڑے اہتمام کے ساتھ دو رکعت صلاۃ الحاجہ ادا کرکے اس باب کا آغاز فرماتے، ایک ایک حدیث کا اس قدر اہتمام تھا کہ اگر اس کی تفصیل میں جائیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیسے اہتمام کے ساتھ یہ کتاب مرتب ہوئی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ کسی انسانی کتاب کو ایسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، اس میں جتنی صحیح احادیث موجود ہیں اتنی زیادہ صحیح حدیثیں کسی ایک جگہ آسانی سے نہیں مل سکتیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کا دوسرا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس کتاب میں جو عنوانات قائم فرمائے وہ عنوانات بھی ایسے ہیں کہ ان سے ایک سبق ملتا ہے، نہ جانے کتنے علوم ومسائل ہیں جو امام صاحب نے ان تراجم وعنوانات میں سمو دیئے ہیں، ان عنوانات سے امام بخاریؒ کے گہرے علم اور بصیرت وتفقہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آغاز و اختتام

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کا آغاز حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' (اعمال کا دار ومدار نیتوں پر موقوف ہے) سے کیا اور اختتام ایک ایسی حدیث پر کیا جو دیکھنے میں مختصر ہے، لیکن درحقیقت اس میں نیکیاں کمانے، اللہ کی رضا حاصل کرنے اور جنت میں اللہ کا قرب پانے کا ایک ذریعہ بتایا گیا ہے، ''سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم'' یہ دو ایسے کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے اور وزن میں بہت بھاری ہیں، ان کلمات کو ہر شخص اپنی زبان سے بآسانی ادا کرسکتا ہے۔

تصحیح نیت

امام بخاریؒ نے کتاب کے آغاز میں تصحیح نیت سے متعلق حدیث بیان فرما کر یہ سبق دیا کہ ہم اپنا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کریں، حدیث کا پڑھنا جو بڑا مبارک کام ہے، اس میں انسان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے، ان کو دیکھتا ہے، ان کو پڑھاتا ہے، لیکن یہ اتنا مبارک کام بھی اگر اللہ کی رضا کے لیے نہ ہوتو اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں، اللہ کے یہاں قیمت اس کام کی ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے، گویا امام بخاریؒ نے پہلی حدیث میں پڑھنے پڑھانے والوں کو، انفرادی و اجتماعی طور پر دین کے دوسرے کام کرنے والوں کو، یہاں تک کہ ہم جو کام اپنی ضرورت وعادت کے طور پر کرتے ہیں، ہم شادی بیاہ کرتے ہیں، اپنے آپسی معاملات انجام دیتے ہیں، ان تمام کاموں میں یہ سبق دیا ہے کہ ہمارا ہر کام نیت پر منحصر ہے، اگر ہماری نیت درست ہے، ہم وہ کام اللہ کی رضا کے لیے کررہے ہیں تو اللہ کے یہاں قابل قبول ہے، درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے، اور اگر خدانخواستہ ہماری نیتوں کے اندر فتور ہے تو ہمارا بڑے سے بڑا کام بھی اللہ کے یہاں بالکل بے

File F:\Front.tif not found.

قیمت ہے، البتہ اگر ہماری نیت میں استحضار ہے، ہم اللہ کو خوش کرنے کے لیے کوئی کام کررہے ہیں، تو ہمارا چھوٹا عمل بھی اللہ کے یہاں بہت بڑا ہے، آج کا عمومی مرض یہ ہے کہ ہم بڑے بڑے کام کرتے ہیں، لیکن نیت نہیں ہوتی، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نیت ہوتی ہے تو اچھی نہیں ہوتی، بلکہ جو کام کیا جاتا ہے وہ دکھاوے اور نام ونمود کے لیے کرتے ہیں، عزت حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں، یہ سوچ کر کرتے ہیں تاکہ لوگ یہ کہیں کہ ماشاء اللہ فلاں صاحب بڑے مخیّر ہیں، مدرسہ میں بہت چندہ دیتے ہیں، یا فلاں صاحب بڑے عالم ہیں، بڑی اچھی تقریر کرتے ہیں، بڑے حقائق بیان کرتے ہیں، یادرہے کہ اگر دین کا کوئی کام کرنے والا اس نیت سے کام کررہا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی عزت کی جائے تو یہ سب کام بے کار ہیں، کام صرف اس لیے کرنا چاہیے کہ اللہ راضی وخوش ہو، اگر ہمارا کام اللہ کی رضا کے لیے ہے تو اس کے یہاں قبول ہے، اگر ہم شادی کررہے ہیں، اس میں ہماری نیت یہ ہو کہ ہمارا یہ نکاح کرنا اللہ کی رضا کا ذریعہ بن جائے اور ہم سنت کے مطابق نکاح کریں، فضول خرچی سے گریز کریں، بے حیائی کے کاموں سے دور رہیں، تو یہ نکاح بھی عبادت ہے، حسن نیت کے ساتھ کوئی جائز کاروبار کریں تو یہ کاروبار بھی عبادت ہے، دوکان پر بیٹھنا بھی عبادت ہے، لوگوں سے ملنا جلنا بھی عبادت ہے، یہاں تک کہ بیوی کے منھ میں لقمہ دینا بھی عبادت ہے، گویا اگر ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے تو عبادت ہے، اور اگر خدانخواستہ ہمارے بڑے بڑے دینی کام ہیں، لیکن ان میں ریاکاری شامل ہے، تو اللہ کے یہاں ان کی کوئی قیمت نہیں، ہجرت جیسا بڑا عمل جس میں آدمی اپنا گھربار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جاتا ہے، اگر وہ اپنے اس عمل میں یہ نیت نہیں کرتا کہ یہاں دین پر عمل کرنا مشکل ہے، دوسری جگہ آسان ہوگا، بلکہ اس کے سامنے کوئی اور مقصد ہوتا ہے، کسی دوسری غرض کے لیے وہ ہجرت کرتا ہے تو اللہ کے یہاں ہجرت جیسا عمل بھی ناقابل قبول ہے، حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واضح فرمادیا کہ ہجرت بھی اگر اللہ کے لیے ہے، تو ہجرت اللہ کے لیے ہے، اور اگر کسی دوسرے مقصد کے لیے ہے، یعنی شادی کرنا مقصود ہے یا اور کوئی مقصد ہے تو وہ کام ہوجائے گا، لیکن ہجرت کے اجر سے محروم رکھا جائے گا۔

میزان عدل

امام بخاریؒ نے کتاب کے آغاز میں نیتوں کی اصلاح سے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد، کتاب کے اخیر میں ایک ایسا عنوان قائم فرمایا، جس کے ذریعہ گویا انہوں نے اپنی پوری کتاب کو سمیٹ دیا، اور یہ سبق دے دیا کہ کوئی شخص بھی اس دھوکہ میں نہ رہے کہ اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے، فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میزان عدل نصب کی ہے، یعنی قیامت کے دن وہ ترازو نصب کی جائے گی، جو بڑی حساس ترازو ہے، جو ایسی ناپ تول کرنے والی ہے کہ اس میں صرف وزن ہی نہیں تولا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کیفیت بھی تولی جاتی ہے، دل کے جذبات بھی تولے جاتے ہیں، دماغ کے خیالات بھی تولے جاتے ہیں، یہ ایک ایسی ترازو ہے کہ اس ترازو کا ہم تصور نہیں کرسکتے، آج کے زمانہ میں حساس سے حساس ترازو موجود ہے، آپ ایک کاغذ پر ایک نقطہ ڈال دیجئے اور ترازو میں تولیے، اس نقطہ کی بنیاد پر وہ پلہ جھک جائے گا، اور اگر نقطہ نہ ڈالیے تو وہ پلہ اوپر ہوجائے گا، گویا آج ایک نقطہ کا بھی وزن تولا جاسکتا ہے، البتہ اس ترقی کے باوجود آج بھی کیفیتیں نہیں تولی جاسکتیں، دل کے جذبات نہیں تولے جاسکتے، لیکن قرآن مجید اور احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ نے جو ترازو نصب کی ہے اس میں ظاہری اعمال بھی تولے جائیں گے، نمازوں کی رکعات کی تعداد بھی تولی جائے گی، ان کی لمبائی بھی تولی جائے گی، اس کے ساتھ ساتھ کیفیت اور خشوع وخضوع بھی تولا جائے گا، حسن نیت بھی تولا جائے گا۔

ابتدائے کتاب میں تصحیح نیت کے درس اور انتہائے کتاب میں آخری باب سے یہ وضاحت ہوگئی کہ اگر ہماری نیتوں میں فتور ہے، ہم اس دھوکہ میں ہیں کہ کون دیکھنے والا ہے، کون تولنے والا ہے، کون جانے گا کہ ہم یہ کام کس لیے کررہے ہیں، تو وہ دھوکہ میں نہ رہے، معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے وہاں پر ایسی ترازو نصب کی ہے، ایسے تولنے والے آلات رکھ دیئے ہیں، جس میں دل کی کیفیت تولی جائے گی، نیتوں کی خرابیاں بھی تولی جائیں گی، اور نیتوں کی

File F:\Front.tif not found.

اچھائیاں بھی اس میں کھل کر سامنے آجائیں گی، لہٰذا ہمیں اپنی نیتوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

قسطاس کی تشریح

روز قیامت جو ترازو نصب ہوگی، اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں دونوں باتیں سامنے آجائیں گی، یعنی عادلوں کا عدل بھی سامنے آجائے گا، اور ظلم کرنے والوں کا ظلم بھی، حدیث شریف میں اس ترازو کے لیے "قسطاس" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ رومی زبان کا لفظ ہے، امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب سے یہ وضاحت فرمادی کہ اگر ہم اس لفظ کو "قسط" سے ماخوذ مانیں تو یہ بات پیش نظر رہے کہ "أقسط اور قسط، مقسط اور قاسط" دونوں میں فرق ہے، ارشاد الٰہی ہے: "وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَباً" [الجن:۱۵] (اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا کندہ بنیں گے)۔

معلوم ہوا "قاسط" کے معنی ظالم اور "مقسط" کے معنی عادل کے ہیں، تھوڑے سے فرق سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔

اس تشریح سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث شریف میں روز قیامت نصب کی جانے والی ترازو کے لیے قسطاس کا جو لفظ آیا ہے، اس کے معنی ایسی ترازو کے ہیں، جس سے ظلم بھی تولا جائے گا اور عدل بھی تولا جائے گا، یعنی اگر کوئی شخص انصاف کرے گا اس کو بھی تولا جائے گا، اور اگر کسی کی حق تلفی کرے گا، اس کو بھی تولا جائے گا، گویا امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم فرما کر یہ وضاحت کردی کہ آدمی جو کیفیات لے کر جائے گا وہ کیفیتیں بھی تولی جائیں گی۔

میزان عدل کی خصوصیت

قیامت کے روز میزان عدل نصب کیے جانے والی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے ہر شخص کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمارا دنیا میں کیا گیا ایک ایک عمل آخرت میں کھل کر سامنے آجائے گا، اس میں ظلم بھی تولا جائے گا، انصاف بھی تولا جائے گا، اس لیے کوئی شخص اس دھوکہ میں نہ رہے کہ آج ہمارے پاس طاقت ہے، اسباب ہیں، لہٰذا ہم جو چاہیں کریں، کسی کی زمین ہڑپ کرلیں، کسی کا حق مارلیں، کسی کی دوکان پر قبضہ کرلیں، ہم کو کوئی دیکھنے والا، روکنے والا نہیں ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب حرکتیں دنیا کی حد تک ہیں، جب آخرت میں انصاف کی ترازو نصب ہوگی، اس میں انصاف بھی تولا جائے گا اور ظلم بھی تولا جائے گا، کھوٹا اور کھرا واضح ہوجائے گا، معلوم ہوجائے گا کہ کیا چیز صحیح ہے اور کیا غلط، اس لیے یاد رہے کہ اگر آدمی دنیا میں کسی کو دھوکہ دیتا ہے تو وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتا ہے، کوئی کسی کا حق مار رہا ہے، کسی کی زمین ہڑپ کررہا ہے، اس کو سوچنا چاہیے کہ کتنے دن کے لیے کررہا ہے، کل جب مرے گا اور اس کے بعد انصاف کی ترازو نصب کی جائے گی، اس وقت غریب سے غریب آدمی، کمزور سے کمزور آدمی اپنا حق لینے کے لیے آجائے گا، اور اس کو انصاف دلایا جائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے ایسی بکری کو سینگ ماری جس کے سینگ نہیں ہے، تو اللہ قیامت کے دن دونوں بکریوں کو سامنے لائے گا، اور بے سینگ بکری کو سینگ عطا کرکے یہ حکم ہوگا کہ اس سینگ والی بکری کو سینگ مارے، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اگر بکری نے ظلم کیا ہوگا تو اس کو بھی مزا چکھنا ہے، گرچہ وہ مکلّف نہیں ہے، دوسرے یہ کہ جب بکری مکلّف نہیں تھی تو اس سے بدلہ دلوایا جارہا ہے، لہٰذا انسان جس کو مکلّف بنایا گیا، نظام شریعت دیا گیا، دنیا میں زندگی گذارنے کا راستہ بتایا گیا، نظام اخلاق عطا کیا گیا، سب سے بڑھ کر اسوۂ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا نمونہ دیا گیا جو نمونہ ساری انسانیت کے لیے تھا، اس سے یہ سوال ہوگا کہ ان سب چیزوں کے باوجود تم نے وہ نمونہ کہاں فراموش کردیا؟ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر دنیا میں کسی نے بھی ذرہ برابر ظلم کیا ہے، کسی کا حق مارا ہے، یہ سمجھ کر مارا ہے کہ ہم طاقت والے ہیں، کوئی ہمارے ساتھ کیا کرے گا، وہ یہ بخوبی سمجھ لے کہ سب سے بڑا طاقت والا وہ اللہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی طاقت والا نہیں، ساری طاقتیں اس کے قبضہ میں، ساری حکومتیں اس کے قبضہ میں، ساری دولتیں اس کے قبضہ میں، ساری عزتیں اس کے قبضہ میں، کس کے پاس عزت و دولت ہے؟ جو اس کے آگے بڑھ کر بول سکے، وہاں سب کے سب کھڑے ہوں گے، اس وقت جو انصاف کی ترازو نصب کی جائے گی، اس میں سب کھل جائے گا کہ دنیا میں کس نے کیا کیا؟ کون کیا کرکے آیا؟

لمحۂ فکریہ

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس انصاف کے ترازو کا خیال رکھا جائے، یہ بات ذہن میں مستحضر رہے کہ اللہ کے سامنے حاضر ہونا

File F:\Front.tif not found.

ہے، وہاں وہ ترازو نصب ہوگی، جس میں ہمارے نامۂ اعمال کو تولا جائے گا، ہمارے کاموں کو تولا جائے گا، یہاں تک کہ ہم زبان سے جو حروف ادا کرتے ہیں، جو الفاظ نکالتے ہیں، یہ بھی ہوا میں نہیں مل جائیں گے، بلکہ یہ سب وہاں محفوظ ہوں گے، اس لیے اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ کون دیکھنے والا ہے، کون سننے والا ہے، تو وہ بڑے دھوکہ میں ہے، ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ منکر نکیر محفوظ کر رہے ہیں، یہ تمام محفوظ چیزیں روز قیامت میں ہر انسان کے سامنے آجائیں گی، آج اس کو سمجھنا نہایت آسان ہے، ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ آج ایک چھوٹے Chip میں نہ جانے کیا کیا محفوظ ہوجاتا ہے، بڑی سے بڑی تقریبات محفوظ ہوجاتی ہیں، بڑی سے بڑی فلمیں بھی محفوظ ہوجاتی ہیں، لہٰذا وہ اللہ جو ہر چیز پر قادر ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس سے بھی باریک ایک نقطہ میں ساری دنیا کو محفوظ کردے، اس لیے بڑے ڈرنے کا مقام ہے کہ کل جب قیامت کے دن ہمارے سامنے ہماری زندگی کا سیریل آجائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت ہم کو پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے، ہم نے دنیا میں جو کیا ہوگا وہاں وہ صاف نظر آجائے گا، کہیں ہم چوری کرتے نظر آئیں گے، کہیں ہم بدکاری کرتے نظر آئیں گے، کہیں کسی کا حق مارتے نظر آئیں گے، غرض کہ ہماری زندگی کے سارے مناظر ہمارے سامنے کردیئے جائیں گے، اس وقت سب دیکھیں گے اور کہیں گے کہ یہ دنیا میں بڑا دین دار سمجھا جاتا تھا، لیکن چھپ کر کیا کیا کرتا تھا، اس دن کی رسوائی سے اللہ ہماری اور آپ سب کی حفاظت فرمائے۔

دو آبدار موتی

اخیر میں ”سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم“ کے ذکر کی روایت نقل کرکے اس بات کو مزید صاف کردیا گیا کہ اس حدیث میں کلمہ کا ذکر ہے، یہ دو کلمے ہیں، جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں، لیکن اس میزان میں جس کا تذکرہ کیا جارہا ہے، بڑے وزنی ہیں، اور اللہ کو بہت پسند ہیں، یہ دو کلمے ایسے ہیں کہ آدمی زبان سے ادا کرے تو پتہ نہیں چلتا، بآسانی اپنی زبان سے کہہ دیتا ہے، لیکن اللہ کے یہاں ترازو میں غیر معمولی وزن رکھتے ہیں۔

اس روایت سے یہ اشارہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ وہ کلمات ہیں جن کو آدمی اپنی زبان سے جس کیفیت کے ساتھ کہے گا، جس استحضار کے ساتھ ادا کرے گا، خشوع کی جس کیفیت کے ساتھ ادا کرے گا، اتنا ہی اس کا وزن بڑھتا چلا جائے گا، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس میزان میں کیفیتوں کا فرق تولا جائے گا، اگر ان کلمات کو اعلیٰ کیفیات کے ساتھ ادا کیا جائے گا تو اللہ کی میزان میں ان کا وزن اتنا بڑھ جائے گا جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اسی لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ ذکر الٰہی اس خیال کے ساتھ کرے کہ اس میں اللہ کی حمد بیان کی جارہی ہے، اللہ کی تعریف کی جارہی ہے، اللہ کی پاکی بیان کی جارہی ہے، وہ عظمت والا خدا، وہ عظمت والا رب، جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے، وہی تمام کائنات کا خالق ہے، وہی متصرف ہے، وہ جو چاہے کرے، تقدیر اسی کے ہاتھ میں ہے، جس کی تقدیر جیسی چاہے بنائے، ارشاد الٰہی ہے: ”أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ“ [الأعراف: ۵۴] (سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے انتظام چلانا)۔

معلوم ہوا سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ان تمام باتوں کے استحضار کے ساتھ حدیث شریف میں بیان کئے گئے ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کا وزن بڑھ جاتا ہے، ان کلمات کو جس تقدس کے ساتھ کہے گا، جتنی عظمت کے ساتھ کہے گا، جس ادب کے ساتھ زبان سے ادا کرے گا، جس پاکی کے ساتھ کہے گا، دل کی صفائی کے ساتھ کہے گا، اس کا وزن بڑھتا چلا جائے گا۔

صحیح بخاری کی ترتیب

اس تشریح کے بعد صحیح بخاری کی ترتیب کو سمجھنا اور اس کی ابتداء وانتہا میں تطبیق کی شکل دینا آسان ہوگا، امام بخاریؒ نے کتاب کے آغاز میں تصحیح نیت سے متعلق حدیث کی نقل کی، اور کتاب کے اخیر میں میزان عدل کا تذکرہ کیا، اس سے گویا یہ وضاحت کردی گئی کہ دل کے خیالات وافکار کی بھی بڑی اہمیت ہے اور کل قیامت میں یہ سب چیزیں تولی جائیں گی، اس کے بعد دو مختصر کلمات کے باوزن ہونے کی روایت پیش کی، کتاب کے آغاز میں ذکر کی گئی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال میں نیت سے کتنا بڑا فرق پڑتا ہے، اور اخیر میں قائم کئے گئے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام میں اپنے خیالات کو بھی پاک رکھنا ضروری ہے، ورنہ قیامت کے دن میزان عدل میں تمام کھرا کھوٹا سامنے آجائے گا، دو مختصر کلمے جو زبان پر

File F:\Front.tif not found.

بڑے ہلکے معلوم ہوتے ہیں، دل کی پاکیزگی اور سچے جذبات کے ساتھ ادا کرنے پر ان کا وزن بڑھ جائے گا، لیکن اس کے برخلاف اگر بڑے سے بڑے کام میں بھی حسن نیت شامل نہ ہوتو وہ بے وزن ہوجائے گا۔

غرض کہ امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں اس ترتیب کے ذریعہ یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ انسان کو ہر کام میں اللہ کی رضا مدنظر رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے خیر کے کاموں میں تنوع رکھا ہے، اگر ان کاموں میں حسن نیت ہوتو ان کا وزن بڑھ جائے گا، ورنہ بے حیثیت ہوکر رہ جائیں، چنانچہ ایک آدمی وہ ہے جو نماز پڑھ رہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو صدقہ دے رہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو خیرات کررہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو کسی کا دل خوش کررہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو زبان سے ذکر کررہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو کسی کے گھر جاکر اس کی ضرورت پوری کررہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو کسی پریشان حال کی مدد کررہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو کسی کو صحیح راستہ بتا رہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو کسی ایسے شخص کو جو کچھ کام نہیں کرسکتا اس کے کام آرہا ہے، ایک آدمی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کی خبر لے رہا ہے اور اس کے گھر میں کھانا پہنچا رہا ہے، یہ سارے خیر کے وہ کام ہیں کہ اگر ان کا مقصد اللہ کی رضا ہوتو ان کی قیمت اللہ کے یہاں بڑھ جائے گی، لیکن اگر یہی کام اپنے نام ونمود کے لیے کیے جائیں تو اللہ کے یہاں ان کی کوئی قیمت نہیں، اگر کوئی انسان اپنے پڑوسی کی خدمت کررہا ہے، اس کے کام آرہا ہے، لیکن مقصد یہ ہے کہ وہ بھی برے اور آڑے وقت میں ہمارے کام آئے گا، تو یہ ایک سودے والی بات ہوگئی، جب سودا کرلیا تو معاملہ بھی ختم ہوگیا، لہٰذا آخرت میں کچھ حاصل ہونے والا نہیں، اسی لیے ہر کام میں ہمارا مطمح نظر آخرت کی کامیابی، آخرت کا اجر اور اللہ کی رضا ہونا چاہیے، تب ہمارے یہ کام اللہ کے یہاں عزت وبرکت اور اجر وثواب والے ہوں گے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ہمیں امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کی اس ترتیب سے تین سبق ملتے ہیں، نمبر ایک یہ کہ ہمیں اپنی نیتوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے، ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لیے کریں، نمبر دو یہ کہ ہم اپنے ہر کام میں اس بات کا خیال رکھیں کہ کل قیامت میں ان تمام اعمال کو ترازو میں تولا جائے گا، دنیا میں ہم جو کہہ کے جائیں گے وہ سب کچھ وہاں پر موجود ہوگا اور اس کو وہاں تولا جائے گا، اگر ایک لفظ بھی زبان سے غلط نکلا ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کو برا بھلا کہا ہے، کوئی فحش بات زبان سے کی ہے، سب کا سب وہاں موجود ہوگا اور ترازو میں تولا جائے گا، اس لیے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے، حدیث میں آتا ہے: "الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت والعاجز من أتبع نفسه هواها ثم تمنى على الله". [سنن ابن ماجہ: ۴۴۰۱] یعنی عقل مند شخص وہ ہے جو اپنا جائزہ لیتا رہے، اپنا محاسبہ کرتا رہے، اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کرتا رہے، اور پرلے درجہ کا احمق، بیوقوف ونادان شخص وہ ہے، بلکہ اگر کھلی زبان میں کہا جائے تو وہ شخص پاگل ہے جو بالکل اپنی پرواہ نہیں کرتا، اپنے آپ کو خواہشات میں ڈالتا ہے، جو جی چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے بعد اللہ پر تمنائیں باندھتا ہے کہ سب معاف ہوجائے گا، سب ٹھیک ہوجائے گا، یاد رہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ غفار ہے، جس طرح رحمان ورحیم ہے، اسی طرح وہ منتقم بھی ہے، اسی طرح جبار وقہار بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے کہ ان کے دل کے اندر کس قدر اللہ کا ڈر ہے، اس کی خشیت ہے، اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ بندوں کے دلوں میں اس سے بے نیازی ہے، اس کی رحمت سے بے نیازی ہے، تو پکڑ فرماتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی گرفت بڑی سخت ہے، اس لیے عقل مند وہ ہے جو اپنے اعمال کو ٹٹولے، اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنی غلطیوں کو دیکھے، اور اپنی اصلاح کی کوشش کرے، نمبر تین یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ زبان سے اللہ کا ذکر کیا جائے، ذکر اللہ کی رضا کا بہت بڑا ذریعہ ہے، ہم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھیں، ذکر کے لیے حدیث شریف میں بیان کیے گئے دو کلمے "سبحان الله وبحمده وسبحان الله العظيم" یہ دو کلمے وہ ہیں جو اللہ کو بڑے محبوب ہیں، اور میزان عدل میں بھی بڑے بھاری ہیں، مگر زبان پر بڑے ہلکے ہیں، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو اللہ کی رضا کے لیے، استحضار کے ساتھ، اللہ کی خشیت کو متحضر رکھتے ہوئے اس کلمہ کے پڑھنے کا معمول بنالینا چاہیے، تاکہ ہماری میزان کل قیامت کے دن وزنی ہوجائے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: بچے مسجد میں نماز کس طرح پڑھیں، بڑے حضرات بچوں کو آگے نماز پڑھنے نہیں دیتے، اور بچے پچھلی صف میں کھڑے ہوکر کافی شور مچاتے ہیں، اس سے دوسروں کی نماز متاثر ہوتی ہے؟

جواب: حضرت ابو مالک اشعریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ نماز بتاتے ہوئے پہلے مردوں، اس کے بعد بچوں کی صفیں لگوائیں پھر نماز پڑھائی، اصل اصول تو یہی ہے اور یہ ان بچوں کے لیے ہے جو نابالغ ہوں لیکن باشعور ہوں، مگر بچے اگر بے شعور اور چھوٹے ہوں تو انہیں بڑوں کی صفوں میں کھڑا کرنا چاہیے تاکہ شور نہ ہو اور دوسرے لوگوں کی نمازیں متاثر نہ ہوں، علامہ رافعیؒ نے علامہ رحمتیؒ کی یہی رائے نقل کی ہے اور فی زمانناً اسی کو بہتر قرار دیا ہے۔

[تقریرات رافعی علی الشامی: ج ۲/ص ۷۳]

سوال: آج کل پانی کی بوتلیں بازاروں، دکانوں، ریلوے اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور مختلف مقامات پر قیمتاً ملتی ہے، کیا پانی کی تجارت جائز ہے؟ جبکہ معلوم ہوا ہے کہ پانی خدا کی ملک ہے اور تمام انسانوں کے لیے کہیں سے بھی حاصل کرنا مباح ہے، اس سلسلے میں شرع اسلامی کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو پانی برتنوں میں محفوظ کرلیا جائے، انسان اس کا مالک ہوجاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، البتہ ذاتی تالاب، کنویں کے زائد از ضرورت پانی کو بیچنا اور اس سے استفادہ کرنے والوں سے اس کی قیمت وصول کرنا بہتر نہیں ہے۔

[ردالمحتار: ج ۷/ص ۱۸۹]

سوال: آج کل لوگ اقساط پر چیزیں خریدتے ہیں مثلاً سو روپے کی چیز ایک سو پچاس روپے میں خرید کر روزانہ پانچ روپے ادا کرتے ہیں، کیا یہ صورت سود میں داخل ہے؟

جواب: نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق کرنا جائز ہے، البتہ ایک ہی قیمت فریقین کے درمیان متعین ہوجانی چاہیے: "لا مساواة بين النقد والنسيئة لأن العين خير من الدين".

[بدائع الصنائع: ج ۵/ص ۱۸۷]

اس صورت میں چونکہ پیسہ سامان کے مقابلہ میں ہے نہ کہ پیسہ کے مقابلہ میں، اس لیے یہ سود کی صورت نہیں ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ ایک قیمت طے کرکے اسے حسب معاہدہ روزانہ کی قسطوں میں ادا کیا جائے، فقہاء نے اس صورت کو صراحتاً جائز قرار دیا ہے۔

[منحۃ الخالق علی البحر: ج ۵/ ۲۸۰]

سوال: آج کل سرمایہ داری کا ایک طریقہ یہ بھی رائج ہوگیا ہے کہ کچھ متعین رقم مثلاً ایک لاکھ روپے کسی دوسرے کو تجارت اور کاروبار کے لیے دے دیتے ہیں اور وہ ان سے ہر ماہ بطور نفع کچھ متعین رقم مثلاً ایک ہزار روپے حاصل کرتے ہیں، یہ کام جہاں غیر مسلم کرتے ہیں وہیں بہت سے مسلمان بھی کرتے ہیں اور بعض لوگ اسے مضاربت سمجھتے ہیں جو شرع اسلامی میں جائز ہے، سوال یہ ہے کہ کیا سرمایہ کاری کا یہ طریقہ شرع اسلامی میں جائز ہے؟

جواب: سرمایہ کاری کا یہ طریقہ جس میں نفع کی ایک مقدار متعین کردی جائے، جائز نہیں ہے، شرع اسلامی میں نفع کی مقدار متعین کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ ربا کے دائرے میں آجاتا ہے، اور اس کو مضاربت قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ مضاربت درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ نفع فریقین کے درمیان مشاع (غیر معین) اور فیصد میں طے ہو، سرمایہ کاری کی مذکورہ صورت مضاربت یا مشارکت کے خلاف ہے اور ربا کے زمرے میں آتی ہے، اس لیے جائز نہیں ہے۔

[ہدایہ: ج ۴/ص ۲۵۸]

سوال: ایک شخص کاروبار میں کسی کے مال کی بکری کرتا ہے، اور اس کی رقم میں سے کچھ فیصد اپنے پاس رکھ کر باقی رقم اس کو دے دیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اس صورت کا جائز ہونا اور نہ ہونا باہمی معاہدہ پر موقوف ہے، اگر فروخت کرنے والا اس کا ملازم ہے اور اس کے علم میں لائے بغیر کچھ فیصد رقم چھپالیتا ہے تو یہ ناجائز اور خیانت ہے، اگر صاحب مال سے اس کا یہی معاہدہ ہے کہ وہ جتنا مال فروخت کرے گا، اس پر اتنا فیصد بطور اجرت ملے گا تو اس کے لیے گنجائش ہے، کیونکہ اگرچہ اس صورت میں اجرت ایک حد تک غیر متعین ہوتی ہے لیکن اس کی وجہ سے نزاع پیدا نہیں ہوتی اور یہ طریقہ آج کل متعارف اور مروج ہوچکا ہے۔

☆☆☆☆☆

File F:\Front.tif not found.

۲۵/دسمبر ۲۰۱۷ء

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

نــــدوۃ العلـمـــــاء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO. 10863759766** **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.